۱۹۸۰ء کے بعد
مغربی بنگال میں اُردو حمد گوئی

سعدیہ صدف

۱۹۸۰ء کے بعد مغربی بنگال میں اُردو حمد گوئی

سعدیہ صدف

1980 KE BAAD
MAGHRIBI BANGAL MEIN
URDU HAMD GOI

Compiled By : Sadia Sadaf

Year : 2023

ISBN 978-81-966192-7-5

GULISTAN PUBLICATIONS
67,Maulana Shaukat Ali Street
(Colootola Street)Kolkata-700073

۱۹۸۰ء کے بعد مغربی بنگال میں اردو حمد گوئی

(انتخاب)

مرتب:

سعدیہ صدف

۶۷، مولانا شوکت علی اسٹریٹ، کولکاتا۔۷۰۰۰۷۳

جملہ حقوق بحق مرتب محفوظ

1980 Ke Baad Maghribi Bangal Mein

Urdu Hamd Goi

Year:2023

(A Collection of Selected Hymns)

Rs. 170/-

Compiled by:

Sadia Sadaf

ISBN 978-81-966192-7-5

© *Sadia Sadaf*

کتاب : ۱۹۸۰ء کے بعد مغربی بنگال میں اردو حمد گوئی

مرتب : سعدیہ صدف

طبع اوّل : ۲۰۲۳ء

صفحات : ۲۰۸

تعداد : ۵۰۰

قیمت : ۱۷۰/روپے

کمپوزنگ : سعدیہ صدف

ناشر و مطبع : گلستان پبلی کیشنز ۶۷، مولانا شوکت علی اسٹریٹ، کولکاتا۔۷۰۰۰۷۳

رابطہ : +91-9831365693

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ کتاب مغربی بنگال اردو اکاڈمی کے معالی تعاون سے شائع کی گئی ہے۔
کتاب کے مواد یا مشمولات سے اکاڈمی کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

باذوق قارئین کے لیے

ہماری کتابیں

خوب صورت کتابیں

انتساب

والدِ محترم فراغ روہوی کے نام!

تمھارے جیسی ہی ایک کاوش
تمھیں ہی منسوب کر رہی ہوں
یقیں ہے مجھ کو
ہر ایک رہ میں
دعا تمھاری ہے ساتھ ہر پل!!!

فہرست

مقدمہ — سعدیہ صدف — 11

انتخاب

نمبر شمار	شاعر کا نام	صفحہ نمبر	نمبر شمار	شاعر کا نام	صفحہ نمبر
۱	آتش رضا	65	۱۶	اشرف یعقوبی	80
۲	ابراہیم آتش	66	۱۷	اشفاق احمد اشفاق	81
۳	احسان ثاقب	67	۱۸	اشک آروی	82
۴	احسن شفیق	68	۱۹	اصغر ندیم	83
۵	احمد رئیس	69	۲۰	اصغر ندیم نظامی	84
۶	احمد کمال حشمی	70	۲۱	اصغر شمیم	85
۷	احمد وکیل علیمی	71	۲۲	اکبر حبیبی	86
۸	اختر بارک پوری	72	۲۳	اکبر حسین اکبر	87
۹	ارشاد آرزو	73	۲۴	اکرم بارک پوری	88
۱۰	ارشاد مظہری	74	۲۵	اگم شرما	89
۱۱	ارشد الاعظمی	75	۲۶	امام اعظم	90
۱۲	اسلم لکھنوی	76	۲۷	امان اللہ ساغر	91
۱۳	اسمٰعیل پرواز	77	۲۸	امین عامر	92
۱۴	اشرف احمد جعفری	78	۲۹	انجم عظیم آبادی	93
۱۵	اشرف علی اشرف	79	۳۰	انور بارہ بنکوی	94

نمبر شمار	شاعر کا نام	صفحہ نمبر	نمبر شمار	شاعر کا نام	صفحہ نمبر
۳۱	انیس عظیم آبادی	95	۵۸	زماں قاسمی	122
۳۲	ایم۔علی	96	۵۹	سالک لکھنوی	123
۳۳	ایم۔کے۔اثر	97	۶۰	سحر مجیدی	124
۳۴	ایم۔نصر اللہ نصر	98	۶۱	سعید کاشف	125
۳۵	ایوب پیامی	99	۶۲	سعیدہ امان	126
۳۶	بازغ بہاری	100	۶۳	سلیم ٹمیا برجی	127
۳۷	بدر الدین بدر	101	۶۴	سلیم سرفراز	128
۳۸	بشریٰ سحر	102	۶۵	سمیع اللہ اسد	129
۳۹	بلند اختر شہودی	103	۶۶	سیدہ سعدیہ فتح	130
۴۰	تسنیم فردوس	104	۶۷	شاہجہاں محیط	131
۴۱	ثمر بلیاوی	105	۶۸	شاہد نور	132
۴۲	جاوید ہمایوں	106	۶۹	شاہدہ بانو شمسی	133
۴۳	جاوید مجیدی	107	۷۰	شاہدہ صدف	134
۴۴	حلیم حاذق	108	۷۱	شبیر ابروی	135
۴۵	حلیم صابر	109	۷۲	شفیق الدین شایاں	136
۴۶	خورشید ادیب	110	۷۳	شکیل احمد شکیل	137
۴۷	ڈاکٹر عاصم شہنواز شبلی	111	۷۴	شکیل گونڈوی	138
۴۸	ڈاکٹر زرینہ زریں	112	۷۵	شکیل نبی نگری	139
۴۹	ڈاکٹر محمد زاہد	113	۷۶	شگفتہ یاسمین غزل	140
۵۰	ڈاکٹر نگار سلطانہ	114	۷۷	شمس افتخاری	141
۵۱	راہی غازی پوری	115	۷۸	شمیم انجم وارثی	142
۵۲	رضا جون پوری	116	۷۹	شہناز نبی	143
۵۳	رفیق ساجد	117	۸۰	شہنور حسین شبنم	144
۵۴	رفیع احمد	118	۸۱	صابرہ خاتون حنا	145
۵۵	رونق افروز	119	۸۲	صدف جعفری	146
۵۶	رونق نعیم	120	۸۳	ضمیر یوسف	147
۵۷	ریحانہ نواب	121	۸۴	ضیاء الرحمٰن ضیاء	148

نمبر	نام	صفحہ
۸۵	طالب صدیقی	149
۸۶	ظہیر سکندر پوری	150
۸۷	عرفان بنارسی	151
۸۸	عروسہ عرشی	152
۸۹	عشرت نبی نگری	153
۹۰	عظیم الدین عظیم	154
۹۱	علقمہ شبلی	155
۹۲	علیم الدین علیم	156
۹۳	عمران راقم	157
۹۴	عنبر صدیقی	158
۹۵	فراغ روہوی	159
۹۶	فرحت مشتاق	160
۹۷	فریدہ حشمت	161
۹۸	ف۔س۔اعجاز	162
۹۹	فصیح احمد ساحر	163
۱۰۰	فوزیہ اختر ردا	164
۱۰۱	فہیم الدین فہیم	165
۱۰۲	فہیم انور	166
۱۰۳	فیض احمد شعلہ	167
۱۰۴	فیروز اختر	168
۱۰۵	قاری اسماعیل ظفر	169
۱۰۶	قیصر شمیم	170
۱۰۷	کوثر پروین کوثر	171
۱۰۸	لیاقت حسین شرر	172
۱۰۹	مجیب اختر	173
۱۱۰	محسن باعشن حسرت	174
۱۱۱	محمد طاہر بیگ دہلوی	175
۱۱۲	محمود راہی	176
۱۱۳	مختار مشرقی	177
۱۱۴	مرتضیٰ حسین مضطر	178
۱۱۵	مسرت حسین عازم	179
۱۱۶	مشتاق انجم	180
۱۱۷	مشتاق جاوید	181
۱۱۸	مشتاق دربھنگوی	182
۱۱۹	مضطر افتخاری	183
۱۲۰	مظہر امام	184
۱۲۱	مظہر کبریا	185
۱۲۲	معراج احمد معراج	186
۱۲۳	معصوم شرقی	187
۱۲۴	ممتاز انور	188
۱۲۵	ممتاز عارفی	189
۱۲۶	منصور نقیب نشیدی	190
۱۲۷	منظور عادل	191
۱۲۸	میکش کوہستانی	192
۱۲۹	نادرہ ناز	193
۱۳۰	ناظم سلطان پوری	194
۱۳۱	نسیم فائق	195
۱۳۲	نصر غزالی	196
۱۳۳	نظیر راہی	197
۱۳۴	نغمہ نور	198
۱۳۵	نقیب اکبر	199
۱۳۶	نگار بانو ناز	200
۱۳۷	نم اعظمی	201
۱۳۸	نور پیکر	202
۱۳۹	نیر اعظمی	203
۱۴۰	وفا صدیقی	204
۱۴۱	ہری کنور رائے کنور	205
۱۴۲	ہمدم نعمانی	206
۱۴۳	یونس سلطان پوری	207

ہے میرے سر حسیں ردا، تری عطا مرے خدا
مری نگاہ میں حیا، تری عطا مرے خدا

(سعدیہ صدف)

مقدمہ

ادب میں تمام تر جذبات واحساسات کے برتنے کی گنجائش موجود ہے۔خواہ صورت کوئی بھی ہو۔نثر ہو کہ شاعری،تخلیق کاران کے توسط سے اپنا مافی الضمیر ادا کرنے میں ان ہی اصناف کا سہارا لیتا ہے جو اس کے بیان کے لیے آسان ہوں یا جن میں وہ خود مہارت رکھتا ہو۔خدا نے دنیا بنائی۔اس میں رہنے والے انسانوں کی تخلیق کی۔حیوانات و نباتات اور چرند وپرند بنا کر دنیا کو خوبصورتی کا مرقع بنادیا۔لیکن ان سب میں انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ عطا فرمایا۔انسان نے شعور کی منزلوں سے گزرتے ہوئے ان تمام خوبصورت نظاروں ونعمتوں سے لطف اندوزی کی تو اسے اپنے رب کریم کی تعریف و توصیف کی خواہش ہوئی۔اسی خواہش نے اسے حمد کی طرف مائل کیا۔

حمد،عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی خدا کی تعرف وتوصیف کرنا ہے۔اس کی نعمتوں کا ذکر،اس کی قدرت وعظمت اور بزرگی کا اعتراف،اس صنف میں بطور خاص کیا جاتا ہے۔دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ حمد اسمائے حسنیٰ کی توصیف ہے۔دنیا کی ہر زبان اور ہر مذہب میں حمد موجود ہے۔اس سلسلے میں ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط لکھتے ہیں:

> مذاہب عالم کی تاریخ گواہ ہے کہ خدا کا تصور کسی نہ کسی صورت میں ہر وقت موجود رہا ہے۔اتنا ہی نہیں،دور جدید کی غیر مہذب اور عہد قبل تاریخ کی مہذب ترین قوموں میں بھی اگر ہم جھانکیں تو وہاں بھی خدا کا تصور ہمیں ملے گا۔یونان قدیم میں جب تکوین عالم کے سلسلے میں غور کیا گیا تو فلاسفۂ یونان (جو اپنی عقلی توجیہات کے لیے مشہور ہیں) اس نتیجے پر پہنچے کہ ''خدا ایک ہے جو دیوتاؤں اور انسانوں میں سب سے بڑا ہے اس کا جسم اور دماغ مثل انسان کے نہیں ہے اور وہ سراپا بصیر وسراپا سمیع اور سراپا عقیل ہے۔''

(اردو میں حمد ومناجات۔ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط۔ص:۱۷۔فضلی سنز پرائیوٹ لمیٹیڈ، کراچی،۲۰۰۰)

مذہب کی تبلیغ نے صوفیانہ اور حمدیہ کلام کی راہ بھی ہموار کی ۔ زبان اس کا وسیلہ بنی ۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اردو زبان کی ترقی میں صوفیائے کرام نے اہم کردار ادا کیا۔ ان کی تعلیمات وملفوظات اسی زبان کے توسط سے عام ہوتی گئیں جو اپنے ارتقائی منزلوں میں تھی ۔صوفیائے کرام نے درحقیقت اپنے ارشادات کوعوام تک پہنچانے کے لیے عوامی زبان کا سہارا لیا تھا۔ جبکہ ان کا اصل مقصد تبلیغ مذہب تھا۔ انہیں زبان کے فروغ سے کوئی سروکار نہ تھا۔ تبلیغی ضرورت نے لامحالہ زبان و مذہب کوایک دوسرے سے مشترک کر دیا۔ غیر شعوری طور پر اس مقصد نے اردو زبان کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا۔ اس ضمن میں شاعری، تبلیغ مذہب کا وسیلہ بنی ۔ کیونکہ شعری نوعیت کی تبلیغ زبان زد ہونے کی صلاحیت زیادہ رکھتی ہے ۔ ان مبلغین وصوفیائے کرام میں میراں جی شمس العشاق ، برہان الدین جانم ،خواجہ بندہ نواز گیسو دراز، شیخ حمید الدین ناگوری ،کبیرداس ،تلسی داس وغیرہ کے نام سرفہرست ہیں۔ جن کی تحریریں ہمارے لیے دستاویزی حیثیت کی حامل ہیں ۔ زبان، مذہب اور شاعری کے آپسی رشتے کی تصدیق کرتے ہوئے سید اعجاز حسین لکھتے ہیں:

> ”..............................مذہب کو ہمہ گیر و پر تاثیر بنانے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے گئے ۔لیکن سب سے زیادہ کارآمد وسریع الفہم طریقہ اظہار خیال کے لیے الفاظ و زبان و بیان کی ایجاد میں پنہاں تھا جس کے سہارے سے لوگوں کو سمجھانا زیادہ آسان ہوگیا۔ زبان و

بیان کے وجود میں آتے ہی مذہب نے اپنی سرپرستی عام کردی۔ شاعری پیدا ہوئی تو اس کی رنگیں نوائی اور گوناگوں خصوصیات سے متاثر ہوکر اور زیادہ دست شفقت بڑھایا، نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب وشاعری میں ایک خاص اتحاد پیدا ہوگیا اور بظاہر یہ معلوم ہونے لگا کہ شاید مذہب اور شاعری کا ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے ۔ شاعری برابر مذہب کی خدمت کرتی رہی۔ اس کے رہنماؤں کی تعریف ،اس کی لڑائیوں کا حال، اس کے قوانین کی اشاعت، شاعرانہ انداز میں رنگین اور دلچسپ طریقے سے ہمیشہ دنیا کے سامنے پیش کرتی رہی۔ اس کے عقائد کوطرز بیاں سے دلنشیں و پراثر بناتی رہی، جہاں مذہبی واقعات کے ذکر سے تاریخ کے پر جلتے تھے وہاں شاعری رہنمائی کرتی تھی ،مہابھارت اور رامائن وغیرہ اس کی زندہ مثالیں موجود ہیں ۔ مذہب ہمیشہ شاعری کی سرپرستی کرتا رہا، خیالات ،مواد، الفاظ سے

شاعری کی نشوونما میں مدد کرتا رہا۔ دنیا کی کوئی
ممتاز زبان مشکل سے ایسی ملے گی جس کی مدد
مذہب نے نہ کی ہو ۔ اردو زبان بھی اس
قانون سے مستثنیٰ نہیں ۔ اس کو بھی مذہب
مختلف طریقوں سے آگے بڑھاتا رہا۔''

(مذہب وشاعری: سید اعجاز حسین۔ص:۱۴۰۔اردو اکیڈمی سندھ، کراچی۔۱۹۵۵ء)

اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مذہبی تبلیغ نے اردو زبان کے فروغ کی راہ ہموار کی اور اردو زبان کے ذریعہ صوفیانہ وحمدیہ کلام کے فروغ کی راہ بھی ہموار ہوتی رہی۔ اس سلسلے میں صوفیائے کرام کی خدمات لائق ستائش ہیں کہ ان کے ذریعہ صوفیانہ کلام عوامی مقبولیت حاصل کرنے لگا۔ اور عوام میں حمدیہ اشعار کو برتنے کی ترغیب بھی بخشتا رہا۔

اردو ادب میں حمد فارسی کے توسط سے آئی۔ قدیم زمانے میں شعراء مثنوی لکھتے تھے۔ جس کا آغاز ہمیشہ حمدیہ اشعار سے ہی کیا جاتا تھا۔ اس میں خدا کی عظمت اور اس کے صفات کو گنواتے ہوئے مثنوی کی تخلیق کا ذریعہ ذات واحد کو قرار دیا جاتا تھا۔ اس طرح پہلا حمد گو، مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' کا تخلیق کار، فخر الدین نظامی بیدری ہے۔ وہ اپنی مثنوی کا آغاز حمدیہ اشعار سے کچھ اس طرح کرتا ہے:

گسائیں تہیں ایک دنہ جگ ادار
برو بر دنہ جگ تہیں دینہار

اکاس انچہ پاتال دھرتی تہیں
جہاں کچہ نکوئی تہاں ہے تہیں

رچنہار انگھے رچنہار توں
رہنبار پچھیں رہنبار توں

ان اشعار میں شاعر اعتراف کر رہا ہے کہ خالق و مالکِ کل کائنات خدا ہے۔ وہی ہر شے پر قادر ہے۔ آکاش ہو، دھرتی ہو، کہ پاتال ہو، ہر جگہ خدا ہے۔ حتیٰ کہ جہاں کچھ بھی نہیں، وہاں بھی خدا موجود ہے۔ وہی سارے فنکاروں کا فنکار ہے، وہی رچن ہار ہے، وہی رہن ہار ہے۔

اسی طرح میر حسن کی مثنوی ''سحر البیان'' (۱۷۸۲ء) کے یہ اشعار دیکھیں، جن میں شاعر مثنوی کی ابتدا سے قبل خدائے عزوجل کی تعریف وتوصیف کو ضروری گردانتا ہے۔ وہ عقیدت ومحبت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ خدا کی وحدانیت کا اعتراف ضروری ہے اور اسی لیے اس کا قلم بھی سربسجود ہے:

کروں پہلے توحید یزداں رقم
جھکا جس کے سجدے کو اول قلم

سر لوح پر رکھ بیاض جبیں
کہا ، دوسرا کوئی تجھ سا نہیں

قلم پھر شہادت کی انگلی اٹھا
ہوا حرف زن یوں کہ رب العلا

مثنوی کدم راؤ پدم راؤ'' میں کل ۳۰/ اور مثنوی ''سحر البیان'' میں کل ۳۸/ حمدیہ اشعار موجود ہیں۔ جبکہ پنڈت دیا شنکر نسیم کی مثنوی ''گلزار نسیم'' (۱۸۳۹ء) کا آغاز چار حمدیہ

شعر سے ہوتا ہے۔ جن میں شاعر مدحت رب العلیٰ و توصیف نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے ہوئے، اہل بیت سے اپنی محبت و عقیدت کا بھی ثبوت پیش کرتا ہے۔ اور آخری شعر کے ساتھ داستان مثنوی کی جانب بڑھتا ہے۔ مثلاً:

ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری
ثمرہ ہے قلم کا حمد باری

کرتا ہے یہ دو زباں سے یکسر
حمد حق و مدحت پیمبر

پانچ انگلیوں میں یہ حرف زن ہے
یعنی کہ مطیع پنجتن ہے

ختم اس پہ ہوئی سخن پرستی
کرتا ہے زباں کی پیش دستی

غرض کہ میر حسن ہوں کہ میر تقی میر، میر سوز ہوں کہ پنڈت دیا شنکر نسیم، سب نے اپنی مثنویوں میں حمد کا التزام برتا۔ اور یوں یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔

اس تناظر میں اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر قلی قطب شاہ بھی لائق توجہ ہے کہ اس کے کلیات میں بھی حمد بطور صنف شامل ہے۔ جو حسب ذیل ہے:

چندر سور تیرے نور تھے، نس دن کوں نورانی کیا
تیری صفت کن کر سکے، توں آپی میرا ہے جیا

تج نام منج آرام ہے، منج جیو سو تج نام ہے
سب جگ کوں تجھ سوں کام ہے، تج نام جپ مالا ہوا

تج یاد میں جگ موہیا، ہے جگ اپر ترا میا
جو جگ منگے سو توں دیا، توں ہی جگت کا ہے دیا

جیتا ہوں تیری آس تھے، آیا ہے رحم آکاس تھے
جے کچ منگوں تج پاس تھے، سو ہے سو منج کوں توں دیا

بہوتک میا سیتے اپن، دیتا قطبؔ کوں سب دھن
سیسوں نبیؐ کا نت چرن، جب لگ ہے تن میانے جیا

اس حمد سے خدا کے تئیں شاعر کی محبت و عقیدت صاف طور پر عیاں ہے۔ وہ کارخانۂ قدرت کی خوبصورتی کا اظہار کرتے ہوئے اس کی صفتیں بیان کر رہا ہے۔ اور خدا کی تمام نعمتوں کا شکر گزار بھی ہے۔

اسی طرح ولی دکنی کا سارا کلام ہی تصوف و عشق کے موضوع پر مبنی ہے۔ ''دیوان ولی'' میں حمد موجود نہیں۔ تاہم اس کا آغاز جس کلام سے ہوتا ہے اس میں حمدیہ نوعیت کے اشعار مل جاتے ہیں۔ اس کی تصدیق کے لیے مندرجہ ذیل اشعار دیکھیں:

کرتا ہوں ترے نام کو میں ورد زباں کا
کرتا ہوں تیرے شکر کو عنوان بیاں کا

جس گرد اوپر پانوں دھریں تیرے رسولاں
اس گرد کو میں کحل کروں دیدۂ جاں کا

ہر ذرۂ عالم میں ہے خورشید حقیقی
یوں بوجھ کے بلبل ہو ہر اک غنچہ دہاں کا

سراج اورنگ آبادی کی بھی تمام تر شاعری تصوف کے مضامین کا مرقع ہے۔ ''گلشن سراج'' کے آغاز میں پانچ اشعار پر مشتمل حمد موجود ہے۔جس میں شاعر خدا کی قدرت کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس نے ایک کن سے اس دنیا کی تخلیق کی۔ دنیا کو خوبصورت نظاروں سے سجایا،اور اسی سبب کثرت میں وحدت کا جلوہ نظر آیا۔حمد ملاحظہ کریں:

کیا وصف ہو قدرت کا تری ہم سے خدایا
یک کن سے یہ ہستی کا چمن تو نے کھلایا

منظور جو تھا جلوۂ قدرت کا نظارا
رنگ اپنا ہر اک چشم بصیرت میں جمایا

عالم جسے کہتے ہیں کوئی غیر نہیں ہے
کثرت میں ترا جلوۂ وحدت نظر آیا

پہچان گیا ہے وہی توحید کو تیری
خود ہو کے فنا نقش خودی جس نے مٹایا

قائل ہیں سراؔج اس کے رہ عشق کے سالک
بعد اپنی شناسائی کے اللہ کو پایا

یعنی اس زمانے میں شعراء کے مجموعے اور دیوان کا آغاز حمد سے ہی کرنے کی روایت چل پڑی ۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ شعراء نے حمد کو بحثیت صنف متعارف کرانے کی خاطر دیوان حمد یا مجموعۂ حمد شائع کئے۔اس سلسلے کی پہلی کڑی غلام سرور لاہوری کا ''دیوان حمد ایزدی'' ہے جو ۱۸۸۱ء میں نول کشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوا۔جس کا آغاز شاعر نے فارسی حمد سے کیا ہے۔مثلاً:

بحمد ایزدی ترکن زبان گوہر افشاں را
چو ابر آوزی کن گوہر افشان چشم گریاں را

اس کا مطلع اس طرح ہے:

ز چشم خوں فشاں بے آبرو کن ابر گریاں را
ز جوش دیدۂ گریاں بگریاں برق خنداں را

اس کے بعد اردو زبان میں حمد کا آغاز ہوتا ہے۔مثال دیکھیں:

زباں پر ذکر حمد ایزدی ہر دم رواں رکھنا
فقط یاد الٰہی سے غرض اے میری جاں رکھنا

خدا کا ذکر جاری عمر ساری بر زبان رکھنا
زباں رطب اللسان رکھنا بیاں عذب البیاں رکھنا

کسی گھر میں نہ گھر کر بیٹھنا اس دار فانی میں
ٹھکانا بے ٹھکانا اور مکاں بر لامکاں رکھنا

حقیقت میں بہت پر خوف ہے رستہ طریقت کا
قدم اپنا سمجھ اور سوچ کر سرؔور یہاں رکھنا

حمد پر مشتمل دوسرا دیوان مضطر خیر آبادی کا ''نذرِ خدا'' ہے جو ۱۹۱۳ء میں منظر عام پر آیا۔اس دیوان میں شامل حمد سے چند اشعار پیش خدمت ہیں:

زندگی پاتے ہی انداز وفا کو دیکھا
آنکھ کھلتے ہی خدائی میں خدا کو دیکھا

گلشن دہر میں پھولوں نے ہوا کو دیکھا
وہ ہمیں تھے کہ جو دیکھا تو خدا کو دیکھا

جب کبھی حشر میں ہو جائے گا دیدار نصیب
تب میں سمجھوں گا کہ آنکھوں سے خدا کو دیکھا

پاکستان میں مذہبی شاعری (حمد ونعت) بہت زور وشور سے کی جارہی ہے۔اور اس سلسلے میں کئی رسائل و جرائد بھی منظر عام پر آچکے ہیں جن میں نعت رنگ: ''حمد نمبر'' (کراچی)، نقوش: قرآن نمبر جلد چہار ''گوشۂ حمد''، سہ ماہی ''مفیض'' (گجرانوالہ)، ماہنامہ ''نعت'' (لاہور)، ''ارمغان حمد''، (کراچی) اور سہ ماہی ''عقیدت'' (سرگودھا)، وغیرہ قابل ذکر ہیں۔معروف نعت خواں صبیح الدین صبیح رحمانی کے مطابق پاکستان میں کئی ادارے صرف حمدیہ ونعتیہ ادب کے فروغ کے لیے ہی بنائے گئے ہیں۔ہندوستان میں بھی حمد گوئی کے حوالے سے خوشگوار تبدیلیاں دیکھنے کو مل رہی ہیں۔ملک گیر سطح پر کئی رسائل و

جرائد نے حمد نمبر شائع کیے ہیں،جن میں ماہنامہ ''قرطاس'' (ناگپور) کا ''حمد ومناجات نمبر'' (۲۰۰۶ء) اور ''جہان نعت'' کا ''حمد ومناجات نمبر'' (۲۰۱۳ء)، اہمیت کے حامل ہیں۔

ہندوستان میں حمدیہ شاعری پر پہلا تحقیقی کارنامہ سید یحییٰ نشیط کا ہے۔جو ان کی تحقیق ''اردو شاعری میں مذہبی رجحانات'' کا ایک حصہ ہے۔صبیح الدین رحمانی کے مطابق:

> ''یہ پہلا تحقیقی مقالہ ہے جس میں حمدیہ شاعری کے ارتقائی سفر اور موضوعات کے تنوع کو زیر بحث لایا گیا۔اس مقالے کے حمدیہ شاعری پر مبنی حصے کو ۲۰۰۰ء میں ''اردو میں حمدیہ مناجات'' کے عنوان سے کتابی شکل میں لایا گیا۔یہ کتاب فضلی سنز پرائیویٹ لمیٹڈ کراچی نے شائع کی۔کتاب میں ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی اور نور احمد میرٹھی کے مضامین اور ڈاکٹر جمیل جالبی کا فلیپ شامل ہیں۔کتاب کو حمدیہ ادب پر پہلی تنقیدی و تحقیقی کتاب ہونے کا بھی اعزاز حاصل ہے۔یہ کتاب اردو میں حمدیہ ادب کے تاریخ وارتقاء، اور تجزیہ وتفہیم کے کئی تنقیدی، تحقیقی زاویوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔''

(اردو کا حمدیہ ادب: اجمالی مطالعہ۔صبیح رحمانی۔ص:۴۰۔نعت ریسرچ سینٹر، کراچی۔پاکستان۔۲۰۲۰ء)

اظہارِ محبت کے لیے عقیدت بنیادی حیثیت کی حامل ہے۔عقیدت کے بغیر خدا سے محبت کا اظہار محض دکھاوا ہے۔عقیدت ومحبت کے ساتھ ساتھ حمد جن شعری اصناف میں برتی جارہی ہے وہ بھی تنقید کا تقاضا کرتی ہیں۔

شعرائے مغربی بنگالہ نے بھی خوبصورت حمدیں کہیں ہیں۔لہٰذا اس کتاب میں ۱۹۸۰ء کے بعد کے شعراء کی حمدیں شامل کی گئی ہیں۔اول تو اس بات کا احساس رہا کہ صنف حمد کس قدر متبرک اور اہمیت کی حامل ہے۔دوم،صوبائی سطح پر اس قسم کے کارنامے کی ضرورت بھی تھی۔علاوہ ازیں یہ نکتہ بھی ملحوظ رہا کہ اظہار عقیدت کے ساتھ خدائی بزرگی کا اعتراف اس پرآشوب اور نامساعد حالات میں کس کس طرح کیا جا رہا ہے، اس سے بھی قاری آشنا ہوسکے۔

اس تحقیق کے دوران کئی باتوں کا انکشاف ہوا۔مثلاً یہ کہ ہر شاعر حمد نگار نہیں ہوتا۔کئی شعراء تاعمر حمد نہیں کہہ پاتے۔کچھ شعراء کے ہاں ان کے عقیدے کا رنگ زیادہ حاوی ہوا کرتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں حمد مفقود ہے۔کچھ شعراء براہ راست غزلوں سے مجموعے کا آغاز کردیتے ہیں۔مغربی بنگال میں غزل گو شعراء کے مطالعے سے اس کمی کا احساس بھی شدت کے ساتھ ابھرا۔ابتداء سے اب تک یہ کمی زیادہ کھلی۔

اکثر شعراء حمد ومناجات کے درمیان تمیز نہیں کرپاتے۔صنف ''حمد'' خدا کی عظمت کا بیان ہے۔جبکہ ''مناجات'' دعائیہ صنف ہے۔جس میں شاعر اپنی حالت زار خدا کے سامنے رکھتا ہے اور حالات کی بہتری کے لیے دعا گو ہوتا ہے۔تحقیق کے دوران کئی ایسی کاوشیں بھی سامنے آئیں جن میں یا تو حمد کا ایک ہی شعر تھا اور باقی اشعار مناجاتی تھے۔یا پھر

شعراء نے مکمل طور پر مناجات کو حمد کے زمرے میں شامل کردیا تھا۔مغربی بنگال کے شعراء حضرات بھی اس غلطی سے دامن نہیں بچاسکے۔مثال کے طور پر رونق نعیم کے مجموعۂ کلام (اداس جنگل میں،۲۰۰۰ء) میں شامل حمد،حمد نہیں بلکہ مناجات ہے۔جس کا اندازہ اصل متن کی قرأت سے لگایا جاسکتا ہے:

سنگ بن جاؤں تو سزا دینا
بے جھجھک راہ سے ہٹا دینا

دشت امکاں سے ماورا بھی مجھے
میرے ہونے کا کچھ پتا دینا

دھوپ میں چھاؤں' چھاؤں میں ٹھنڈک
کام کس کا ہے آسرا دینا

مانگنا تو مجھے نہیں آتا
اپنی قدرت سے کچھ سوا دینا

زندگی جس کو دے اسے یارب
زندہ رہنے کا حوصلہ دینا

مندرجہ بالا کلام کا پہلا، دوسرا، چوتھا اور پانچواں شعر مکمل طور پر مناجاتی ہے۔فقط تیسرا شعر ہی حمدیہ نوعیت کا ہے۔

''کلیات ناشادؔ'' (۲۰۱۰ء) کے مطالعے سے بھی یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ شاعرہ نے اپنے مجموعے ''سوزِ دل'' اور ''جذبات ناشادؔ'' میں حمد کے تحت مناجات برتی ہے۔ مثلاً ''جذبات ناشادؔ'' کا حسب ذیل کلام دیکھیں:

اے خدا راہ میں تو اپنی لگا دے مجھ کو
اے خدا چاہ میں تو اپنی مٹا دے مجھ کو

ہے تمنائے دلی راہ میں مٹ جاؤں تری
اے خدا راہ طریقت کی دکھا دے مجھ کو

تیرے بندوں کی میں خدمت میں گزاروں دن رات
طاعت حق میں اطاعت کا مزا دے مجھ کو

تیری ناشادؔ گناہوں سے ہے ناشاد بہت
مژدہ بخشش کا مرے مولا سنا دے مجھ کو

اپنی ناشادؔ کے تو رکھیو قدم کو ثابت
مرتے دم نام نہ بھولوں یہ سکھا دے مجھو کو

قاصر مکرم پوری کے ہاں بھی یہی کیفیت ملی۔ ان کے شعری مجموعہ ''تمنا کا دوسرا قدم'' (۲۰۰۲ء) کا آغاز بھی مناجاتی کلام سے ہوتا ہے۔ پورے کلام میں شاعر خدا سے دعا کرتا ہوا یوں نظر آتا ہے:

سودا نمود و نام کا سر سے نکال دے
اللہ میری ناؤ بھنور سے نکال دے

ظالم چلا ہے چال ندامت کی ہوشیار
ایسا نہ ہو کہ تیر جگر سے نکال دے

منزل ہو کوئی ایسی کہیں تو بتایئے
جو مجھ کو اس عذاب سفر سے نکال دے

یا تو زباں پہ حرف شکایت نہ لائے دل
یا اس جفا شعار کو گھر سے نکال دے

وہ آب و رنگ چاہیے قاصرؔ غزل کو جو
بازی گروں کے دام اثر سے نکال دے

اسی طرح ڈاکٹر زرینہ زریں کے کلام میں بھی حمد و مناجات باہم ہوگئے ہیں۔ پہلے اور آخری شعر کے علاوہ بقیہ اشعار مناجاتی ہیں۔ بطور مثال ان کا کلام دیکھیں:

میری زباں میں طاقت حمد و ثنا کہاں
سجدے میں ہیں یہ ساری زمیں سارا آسماں

دجالیت کا رقص، حراساں ہے ہر بشر
یہ کائنات چیخ رہی ہے کہ الاماں

ویراں دلوں کو تازہ گلستاں بنا سکے
خلقت کو اپنی ایسی عطا کردے خوبیاں

قلب و نظر کو اتنی عطا کردے وسعتیں
کھل جائیں سارے راز جو اب تک رہے نہاں

ہیں ساری کائنات میں تیرے ہی زمزمے
تو خالق زماں و مکاں، سب ہیں مدح خواں

اسی طرح کیف الاثر کے ہاں بھی حمد نہیں ملتی تاہم ان کے ہاں غیر منقوطہ حمدیہ قطعات موجود ہیں۔ سلطان ساجد، شبنم برن پوری، کمال جعفری اور محبوب انور کے ہاں حمد، نظم کی ہئیت میں موجود ملی۔ وقیع منظر کے ہاں حمد، نظم، دوہے اور قوالی کی صورت میں ملی۔

مذکورہ مثالوں کے ذریعہ میرا مقصد کسی بھی شاعر کی عیب جوئی قطعی نہیں۔ حمد و مناجات کا باہم ایک ہی کلام میں رقم ہونا بھی کسی طرح کا عیب نہیں۔ پھر بھی دونوں الگ الگ اصناف ہیں اور اپنی علاحدہ شناخت کا مطالبہ بھی کرتی ہیں۔

شانتی رنجن بھٹاچاریہ کے مطابق بنگال میں اردو شاعری کے آغاز کے سلسلے میں پیر ساہتیہ اور پوتھی ادب، کا مطالعہ سودمند ثابت ہوسکتا ہے لیکن افسوس کہ پوتھی ادب محفوظ نہ رہ سکا۔ لہٰذا دستیاب شدہ شواہد کی بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ بنگال میں اردو شاعری کا آغاز باضابطہ طور پر اٹھارہویں صدی سے ہوتا ہے۔ راجہ رام نارائن موزوں اور مرزا محمد فقیہ درد

مند کا شمار اسی زمانے کے شعراء میں ہوتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالرؤف نے اپنے ڈی لٹ کے مقالے ''میر باقر مخلص مرشد آبادی'' (۱۹۸۲ء) میں مخلص کے ہم عصر شعراء کے تحت جن شعراء کا کلام بطور نمونہ پیش کیا ہے ان میں فقیہ دردمند کی مثنوی سے حمد کے چند اشعار بھی نقل کیے ہیں۔ جو اس طرح ہیں:

الٰہی تیری حمد مقدور نہیں
اگرچہ سخن کا یہ دستور نہیں

بجا ہے جو تیرا ثنا گر نہیں
یہ منہ ان شرابوں کا ساغر نہیں

مرا نعت میں بھی یہی حال ہے
وہی عجز اس عجز پر دال ہے

مذکورہ شعراء کے علاوہ دیگر غیر مسلم شعراء مثلاً، راج کرشن راجا، جادب کرشنا بہادر شفق، راجا اپورب کشن بہادر کنور، جنم جے مترا ارمان وغیرہ نے بھی اردو شاعری سے متاثر ہوکر صنف غزل کی اسیری قبول کی اور بیشتر نے مجموعے و دواوین یادگار چھوڑے۔ شانتی رنجن بھٹاچاریہ کی تصنیف ''بنگالی ہندوؤں کی اردو خدمات'' (۱۹۶۳ء) کے حصۂ دوم میں اردو کے ۷۷ر بنگالی ہندو ادباء و شعراء پر مضامین شامل ہیں۔ اس کتاب کے مطالعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ غیر مسلم شعراء نے بھی حمد گوئی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے مہارشی دیویندر ناتھ ٹیگور (رابندر ناتھ ٹیگور کے والد)، جنہیں حافظ کا حافظ کہا جاتا تھا، کا یہ صوفیانہ شعر دیکھیں جو فارسی زبان میں ہے۔ اور تجاہل کی عمدہ مثال ہے:

یارب آن شمع افروز زکاشانۂ کیست
جان ما سوخت نہ پرسید کہ جانانۂ کیست

دینا ناتھ دیب ادیب وشاعر گزرے ہیں۔ ان کی کتاب ''جواہر تعلیم'' کا آغاز مناجات سے ہوتا ہے۔ مثلاً یہ اشعار دیکھیں:

جہاں پرورا ہے تو رب کریم
عجیب و علیم و رؤف و رحیم

یہ ہے تجھ سے یارب مری التجا
کہ تیرا ثنا خواں رہوں میں سدا

راجہ اپورب کشن بہادر کنورؔ، راجہ راج کرشنا دیب کے بیٹے تھے۔ ان کا تعلق شوبھا بازار (کلکتہ) کے راجا خاندان سے تھا۔ کنور، صاحب دیوان شاعر گزرے ہیں۔ وہ دربار دہلی سے وابستہ تھے۔ ان کا قابل ذکر کارنامہ ''مثنوئ کنور'' ہے۔ شانتی رنجن بھٹاچاریہ نے کنورؔ کی تخلیقات پر روشنی ڈالتے ہوئے اس مثنوی سے یہ حمدیہ اشعار بطور نمونہ نقل کیے:

کروں حمد طاقت مجھے ہے کہاں
بری سب سے ہے وہ خدائے جہاں

ہوئے اس کی قدرت سے سب آشکار
زمیں و زماں اور ہفت آسماں

ستارے قمر اور تابندہ خور
کیا اک کرشمے سے اس نے عیاں

سبھی نیست نا بود آخر کو ہیں
تنزل نہیں اس کوٗ ہے جاوداں

حمد کے آخری چند اشعار بھی ملاحظہ کریں:

وہی بے کسوں کا نگہبان ہے
وہی نور ماہی سر ظالماں

گنہ گار کی بخشتا ہے خطا
مجھے بھی عذابوں سے دے گا اماں

کنورؔ کی یہی آرزو ہے بہ دل
یہ ہو حمد مقبول تیرے یہاں

بنگالی ہندوؤں کے علاوہ عبد الغفور نساخ،مخلص مرشدآبادی،قدرت اللہ قدرت،انشاءاللہ خاں انشاء،قاضی محمد صادق اختر،ضیغم،قتیل،مرزاطپش، رند،صبا، واجدعلی شاہ اختر وغیرہ نے بنگال میں اردوشاعری کو بام عروج عطا کیا۔ان کے بعدان کے شاگردان وبیگماتِ اودھ نے بھی اردوشاعری کی پرستش کی۔ابتدائی دور کی شاعری میں کلاسیکی رنگ رچا بسانظرآتا ہے۔معشوق کی ستم طرازی اوراس کی بے توجہی کا ذکر،تصوف کے مضامین، گناہ و ثواب وبے ثباتئ دنیا کا ذکرشعراء نے خوب خوب کیا ہے۔ان میں سے کئی شعراء نے حمد سے اپنی شعری کاوش کا آغاز کیا۔مثلاً:

عبدالغفورنساخ جو بنگال کے شعروادب کا ایک مستندحوالہ ہیں، نے اپنی شاعری خواہ،غزلیات ہوکہ رباعیات یا قطعات، سب میں حمد کا التزام رکھا۔ان کے مجموعۂ کلام ’’ارمغانی‘‘(۱۸۸۶ء) میں شامل پہلی غزل میں حمدیہ نوعیت کے یہ اشعار ملے:

جلوۂ شمع طور نے مارا
دل خاکی کو نور نے مارا

میں عدم میں تھا زندۂ جاوید
مجھ کو میرے ظہور نے مارا

اسی طرح نساخ کے مجموعۂ قطعات ’’باغ فکر‘‘ کا آغاز بھی حمدیہ قطعات سے ہوتا ہے۔بطورمثال ایک قطعہ ملاحظہ کریں:

مشکلیں جتنی ہیں ہو جائیں گی آسان سر بسر
ورد رکھ نساؔخ تو ہر وقت نام اللہ کا
آتش دوزخ بھی تجھ پر حشر میں ہوگی حرام
گوش جان و دل سے سن ہر دم کلام اللہ کا

نساخ بیک وقت اردو، فارسی،عربی اور بنگلہ زبانوں پر دسترس رکھتے تھے۔انہوں نے شعری اظہار کے لیےاردواور فارسی سے خوب خوب فیض اٹھایا۔’’مرغوب دل‘‘ان کی فارسی رباعیات کا مجموعہ ہے۔جو۱۸۷۴ء میں شائع ہوا۔اس کا آغاز بھی نساخ نے حمدیہ رباعیوں سے کیا ہے۔ایک مثال دیکھیں:

یا رب شدہ ام تبہ بیامرز مرا
شد روئی دلم سیہ بیامرز مرا
درد آنکہ بجز گنہ نکردم کارے
بخشندۂ ہر گنہ بیامرز مرا

’’ترانۂ خامہ‘‘(۱۳۰۲ھ) ،نساخ کی اردو رباعیات کا دیوان ہے۔جسے اردو رباعیات کا اولین دیوان ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔اس کی ابتداء بھی نساؔخ نے حمدیہ رباعیوں سے کی ہے۔مثلاً ایک رباعی دیکھئے:

بے آنکھ کے اللہ ہے تو ہی بینا
بے کان کے اللہ ہے تو ہی شنوا
فرمایا جو تو نے قل ہو اللہ احد
بے شبہ و شک ہے ذات تیری یکتا

''کلیات انشاء'' (۱۸۷۶ء) مطبوعہ نول کشور پریس ،لکھنؤ میں یہ حمد یہ غزل موجود ہے:

صنما برب کریم یاں ترے ہیں ہر ایک یہ مبتلا
کہ اگر ''الست بربکم'' تو ابھی کہے تو کہیں ''بلےٰ''

ہوس جمال حبیب ہو تجھے کچھ دلا تو کلیم وش
نہ وہ لن ترانی ادھر کی سن ارنی ہی کہنے پہ جی چلا

وہ جو محو و مست نظارہ ہیں یہی آہ بھر کے کہیں ہیں وہ
کہ اسی تجلیٔ نور نے ہمیں مثل طور دیا جلا

بہ محمدؐ عربی تو دے دو سہ جام بادۂ نور وہ
کہ نہ سوجھے سکر میں ساقیا ہمیں کچھ جہاں کا برا بھلا

بہ روان ساقیٔ کوثرا سر خم کو پیر مغاں ہلا
سبھی اہل وجد کو مے پلا کے تو شیخ و شاب کو دے صلا

یہ جو کہیے کعبے میں ہے فقط یہ غلط ہے محض اسی نمط
جدھر آنکھ اٹھا کے نظر کروں نظر آئے مجھ کو وہ برملا

تجھے انشاؔ اور تو کیا کہوں دو جہاں میں کوئی بھی ظرف ہے
جو خدا کے نور سے پر نہ ہو کہ محال دہر میں ہے خلا

معروف ادیب تقی عابدی کے مطابق ''حمدیہ مضامین انشاؔ کے ہر دیوان اور ہر صنف سخن میں لکھے ہیں''۔ ''کلیات انشاء'' میں قصیدے سے قبل بھی ۴۴ر اشعار کی ایک حمد ملتی ہے۔اس حمد سے چند اشعار دیکھیں:

اے خداوند مہ و مہر و ثریا و شفق
لمعۂ نور سے ہے تیرے جہاں کو رونق

بیٹھ کر مکتب ابداع میں تو نے کھولے
دفعتاً نسخہ افلاک کے جوں سات ورق

فرج سے چار عناصر کو یہ دی کیفیت
قید ہستی نے کیا پردہ اطلاق کو شق

سمع و ذوق و بصر و لمس و شمو وہم و خیال
بن کہے تو نے دیے ہم کو کریم مطلق

صدقہ اس بندہ نوازی کی تیری ہم جاویں
باپ ماں ہوتے ہیں کب ایسے شفیق واشفق

روز و شب حضرت خلاق تیرے حکم میں ہیں
عرش و لوح و قلم و شش جہت و ہفت طبق

انشاء کا قابل ذکر کارنامہ، غیر منقوط کاوش نثری ''سلک گوہر'' اور کاوش شعری، اردو دیوان ''کلام بے نقط'' ہیں۔ اس ضمن میں یہ دو اشعار دیکھیں جن میں شاعر خدا کی مدحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

اور کس کا آسرا ہو سرگروہ اس راہ کا
آسرا اللہ اور آل رسولؐ اللہ کا

اللہ اللہ کس طرح ہو درک اوہام و حواس
طور کا عالم ادھر کو کوہ ادھر ہو کاہ کا

انشاء نے بھی اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں رباعیاں کہیں ہیں۔ مثال کے طور پر انشا کی ایک حمدیہ رباعی بہ زبان فارسی دیکھیں:

یارب بہ رسالت محمدؐ رحمی
یارب بہ صداقت محمدؐ رحمی
من در امت محمدؐ ہستم
یارب بر امت محمدؐ رحمی

مرزا جان طپش، فورٹ ولیم کالج سے وابستہ تھے۔ وہ صاحب دیوان شاعر گزرے ہیں۔ ان کی مثنوی ''بہار دانش'' (۱۸۰۲ء) کا آغاز بھی ان حمدیہ اشعار سے ہوتا ہے:

بیاں کیا کروں حمد پروردگار
کہ عجز بیاں سے ہوں بس شرمسار

کہ طاقت کہاں اس قدر نطق کو
جو تحمید اس کی سر انجام ہو

مخلص مرشد آبادی کے دیوان کی ابتدا جس غزل سے ہوتی ہے اس میں بھی حمدیہ، مناجاتی اور منقبتی رنگ موجود ہے۔ اس غزل سے حمدیہ اشعار کے یہ نمونے ملاحظہ کریں:

مد بسم اللہ ابرو ہے رخ عنوان کا
حسن معنی کیوں نہ ہوں مفتوں مرے دیوان کا

اس قدر ممنون ہوں میں اپنے اس عصیان کا
مستحق مرحمت مجھ کو کیا رحمان کا

یاد حق روح رواں ہے قالب کونین بیچ
ذکر اس کا ہے سدا جاں بخش انس و جان کا

یہی صورت ''دیوان ملکہ جان'' کی بھی ہے۔ اس دیوان کی پہلی غزل کا مطلع ہی حمدیہ و مناجاتی رنگ کا حامل ہے۔ مثلاً:

بخشے گا ہر گناہ وہ عصیاں شعار کا
بے حد ہے رحم بندوں پر پروردگار کا

جبکہ اسی غزل میں خالص حمدیہ رنگ کا یہ شعر بھی موجود ہے:

دیکھا جسے وہ شاغل حمد غفور ہے
نغمہ یہی سنا ہے چمن میں ہزار کا

بنگال کی اولین صاحب دیوان شاعرہ عالم آرا بیگمؔ زوجۂ اول، سلطان اودھ واجد علی شاہ کے ہاں حمد موجود نہیں ۔ان کی شاعری میں اہل بیت سے محبت کا خالص رنگ ملتا ہے۔ٹھیک اسی طرح ''دیوان صدر محل'' میں بھی حمد نہیں ملتی۔

بعد کے شعراء کی فہرست میں شمس کلکتوی، وحشت کلکتوی، غلام محمد مست کلکتوی، صفی لکھنوی، عزیز لکھنوی، آرزو لکھنوی، ناطق لکھنوی وغیرہ کے نام اہم ہیں۔ جن کی شاعری کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ اس دور کو بنگال میں اردو شاعری کا ''دور زریں'' قرار دیا گیا ہے۔ شعراء کی اس نئی کھیپ میں وحشتؔ اپنے معاصرین پر غالب نظر آتے ہیں۔ انہوں نے اتباع غالب کے ساتھ ساتھ اپنے اختراعی جوہر سے اہل مشرق کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ وحشت نے اردو اور فارسی دونوں زبان میں شاعری کی۔ انہوں نے خالق کون و مکان کی مدحت سرائی بھی کی۔ ''دیوان وحشت'' کا آغاز جس غزل سے ہوتا ہے اس میں حمدیہ نوعیت کے یہ اشعار موجود ہیں:

آئینۂ خیال تھا عکس پذیر راز کا
طور شہید ہوگیا جلوۂ دلنواز کا

پایہ بہت کیا بلند اس نے حریم ناز کا
تا نہ پہنچ سکے غبار رہ گزر نیاز کا

خاک میں مل گئے ولے آنکھ اٹھی نہ شرم سے
ہم سے ہوا نہ حق ادا اس کی نگاہ ناز کا

مذکورہ غزل کے ان اشعار میں وحشت نے منفرد انداز میں عظمت خداوندی، کوشش رسائی، اور اپنی نارسائی کا تاسفانہ اظہار کیا ہے۔ جبکہ'' ترانۂ وحشت ''(۱۹۵۱ء) کی ابتداء فارسی حمد سے کچھ یوں ہوتی ہے جہاں شاعر مدحت خداوندی کرتے ہوئے اس کے ذکر کو انسانی خوشیوں کا ضامن قرار دیتا ہے:

ای از تصورت دل ما گلستانِ ما
ذوق آفریں ز لذت نامت زبان ما

یادت کفیل راحت و آرام جان ما
ذکر تو ضامن طرب جاودان ما

از غفلتے کہ ہم سفراں را گرفتہ است
فریاد می کند جرس کاروان ما

عنوان عشق ما چو شد آں حسن خود نما
مشہور گشت در ہمہ سو داستان ما

از بادۂ الست کہ جامے بما رسید
پر کیف ہست بیخودیٔ جاودان ما

وحشتؔ چہ حاجت است کہ گویم درد دل
در یاب شدت غم ما از فغان ما

کلکتے کی شعری فضا کو تابنا کی عطا کرنے والوں میں ناطق لکھنوی نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ وہ ایک قابل قدر استاد شاعر تھے۔ بنیادی طور پر ان کا تعلق لکھنؤ سے تھا۔لیکن قسمت آزمائی کی خاطر انہوں نے کچھ مدت کلکتہ میں بھی اقامت کی ۔معاصرین کے درمیان وہ اپنے خیال کی ندرت اور منفرد لب و لہجے کے لیے معروف تھے۔انہوں نے بھی خدائے بزرگ و برتر کی حمد وثنا کی۔''انتخاب کلام ناطق لکھنوی''، مرتبہ عرفان عباسی (۱۹۹۷ء)، میں ناطق کی مندرجہ ذیل حمد شامل ہے:

ہر نقطہ ایک مرکز وحدت ہے ذات کا
ہر دائرہ ہے عالم کثرت صفات کا

کم قدر ایک ذرہ نہیں کائنات کا
ہر جزو ہے صفات کا کل عین ذات کا

کثرت میں سب مناظر قدرت ہیں آئینہ
بحر صفت کا قطرہ بھی قلزم ہے ذات کا

ذرے شعاع مہر میں جیسے تپیدہ ہوں
منظر یہ ہے جہاں میں ترے التفات کا

چھن چھن کے نور آتا ہے شمع وجود سے
پردہ جو بیچ میں ہے ہماری حیات کا

اہل مجاز کو جو حقیقت پہ ناز ہے
ادنیٰ سا جزو ہے یہ ترے کائنات کا

تجھ سے تو حمد و نعت بھی ناطقؔ نہ بن پڑی
اب کون سا وسیلہ ہے تیری نجات کا

وحشت کے معاصرین میں ایک قابل احترام اور بلند پایہ شخصیت آرزو لکھنوی کی بھی ہے۔جو بیک وقت شاعر بھی تھے اور ڈراما نگار بھی۔ چونکہ اس زمانے میں تھیٹر کا رواج تھا اس لیے وہ بھی ڈراما کمپنی، میڈن تھیٹرس کی دعوت پر کلکتہ چلے آئے اور کچھ مدت یہیں قیام کیا۔آرزو نے باضابطہ طور پر حمد نہیں لکھی۔لیکن ان کے ہاں اس نوعیت کے اشعار ضرور مل جاتے ہیں۔مثلاً ان کے اولین شعری مجموعے ''فغان آرزو'' (۱۹۲۴ء) کی پہلی غزل کے یہ اشعار ملاحظہ کریں:

جلوہ ہے فریب نظر اس دار فنا کا
اول وہی آخر وہی اک نام خدا کا

کھو جاتے ہیں دنیا سے ترے ڈھونڈنے والے
کچھ سلسلہ ملتا ہے فنا ہی سے بقا کا

''جہان آرزو'' کی اشاعت ۱۹۳۶ء میں ہوئی۔جس میں ''مناجات'' کے تحت ایک حمدیہ نظم بھی شامل ہے۔اس حمدیہ نظم سے ذیل کے اشعار لائق توجہ ہیں:

الله الله شان ذات لایزال
جس کے مستقبل میں ہیں ماضی و حال

پردۂ جلوت نمائے کائنات
ہے طلسم مظہر ذات و صفات

خیرۂ درماندہ چشم انتخاب
اک حجاب اندر حجاب اندر حجاب

اسی طرح آرزو کے مجموعۂ کلام ''سریلی بانسری'' کی پہلی غزل کا مطلع بھی مناجاتی رنگ کا حامل ہے:

جس نے بنا دی بانسری' گیت اسی کے گائے جا
سانس جہاں تک آئے جائے' ایک ہی دھن بجائے جا

آرزو کے ہاں حمدیہ ومناجاتی رنگ کی رباعیاں بھی ملتی ہیں۔ مثلاً یہ حمدیہ رباعی دیکھیں:

گلشن میں گلوں کو رنگ و بو دیتا ہے
بن مانگے گوہر کو آبرو دیتا ہے
گونگے کو زباں' بہرے کو کان' اندھے کو آنکھ
جو دے نہ سکے کوئی تو تو دیتا ہے

(بحوالہ: آرزو لکھنوی۔ضمیر کاظمی۔ساہتیہ اکاڈمی دہلی۔۲۰۱۵ء)

آزادی سے قبل کے شعراء میں جمیل مظہری، شاکر کلکتوی، آصف بنارسی' واصف بنارسی' اور قمر صدیقی شامل ہیں۔ پرویز شاہدی، عباس علی خاں بیخود' غواص قریشی، ناوک لکھنوی، جواں سندیلوی، جرم محمد آبادی، ابراہیم ہوش، حرمت الاکرام وغیرہ بھی اسی دور میں شاعری کررہے تھے۔

اب شعراء عشق ومحبت وصوفیانہ مضامین کے دائرے سے نکل کر فلسفیانہ مضامین و دنیاوی مسائل کی جانب بڑھنے لگے۔ان شعراء کے یہاں ترقی پسند رجحان کے اثرات صاف طور پر محسوس کئے جاسکتے ہیں۔لہٰذا ایسے میں جب سیاسی سطح پر ملک میں آزادی کی تحریکیں جاری تھیں، حمد نگاری ممکن بھی نہ تھی۔اس لیے اس دور میں حمد کہنے والے شعراء کی تعداد کم ضرور تھی تاہم شعرا نے خدا سے اپنی عقیدت ومحبت کا خوب خوب اظہار کیا۔بالخصوص وحشت کے شاگردوں، قمر صدیقی اور عباس علی خاں بیخود نے حمد گوئی کا فریضہ ادا کیا۔قمر صدیقی کے مجموعہ ''تجلیات قمر'' میں موجود حسب ذیل حمد ملاحظہ فرمائیں جس میں شاعر خدائے عزوجل، قادر مطلق کی حمد وثنا اس طرح کررہا ہے:

تو بیاباں کو گلستان بنا سکتا ہے
خارزاروں میں حسیں پھول کھلا سکتا ہے

تیرا الطاف و کرم عام ہے بندوں کے لیے
کون دل سے تری رحمت کو بھلا سکتا ہے

جوش میں آئے اگر شان کریمی تیری
تو فقیروں کو بھی سلطان بنا سکتا ہے

تو حقیقت کی نظر جس کو عطا فرما دے
تیرے جلووں کو ہر اک شے میں وہ پاسکتا ہے

''کلیات بیخودؔ'' میں شامل حمد کا انداز منفرد ہے۔ اس کی قرأت سے یہ احساس ابھرتا ہے کہ شاعر اپنی نارسائی پر کف افسوس مل رہا ہے۔ کیونکہ وہ اس مضمون کو ادا کرنے سے قاصر ہے:

کیوں سر جھکائے جستجوئے ذوالجلال میں
ہیں آبلے پڑے ہوئے پائے خیال میں

میں ناز سے ادا کروں سجدہ نیاز کیا
آ! اے حریم ناز کے ساکن خیال میں

کہتی ہے کائنات کہ تو ہر جگہ ہے' پر
پایا نہیں خیال نے تجھ کو خیال میں

محراب در کو دیکھ کے سجدہ میں گر پڑا
آئی بلندی دیکھ کے پستی خیال میں

حمدِ خدا میں عجز کا بیخودؔ ہے معترف
مضمون یہ وہ نہیں ہے کہ جو آئے خیال میں

جرم محمد آبادی کے مجموعۂ کلام ''شعلۂ رنگیں'' میں حمدیہ کلام نہیں ہے۔ تاہم اس مجموعے کی پہلی غزل کے مطلع سے خدائے لم یزل کی توصیف وثنا ظاہر ہے:

یوں تو کیا کیا نظر نہیں آتا
کوئی تم سا نظر نہیں آتا

مذکورہ شعر خواجہ میر درد کے اس شعر سے مماثل ہے:

جگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

آزادی کے بعد کے شعراء کے یہاں گھٹن آمیز ماحول میں بے اعتباری کا بڑھنا، رشتوں کی ناقدری اور فسادات کے گہرے اثرات نے زندگی کے تمام شعبے کی طرح شاعری کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ایک طرح کے خوف اور مایوسی نے انسانی فکر پر شب خون مار ڈالا تھا۔ جس کے زیر اثر بعض شعراء کے طرز بیان میں تلخی کے بڑھتے اثرات محسوس کئے جاسکتے ہیں۔ دھیرے دھیرے شعرانے اس سے دامن چھڑانے کی سبیل نکالی۔ اور اس مایوس فضا سے باہر نکلنے کے لئے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا بھر پور استعمال کیا۔ اس عہد کے شعراء میں اشک امرتسری، مضطر حیدری، مظہر امام، وکیل اختر، سالک لکھنوی، علقمہ شبلی، اعزاز

افضل، قیصر شمیم، حامی گورکھ پوری، رونق نعیم، نصر غزالی، کیف الاثر، حلیم ثمر آروی، فاروق شفق، وحید عرشی، احسان دربھنگوی، اویس احمد دوراں، ناظم سلطان پوری، محبوب انور، حشم الرمضان، غلام حسین ایاز، بشیر الدین بشیر، رابعہ سلطان ناشاد، ع۔ رشید خان، محمد کامل اختر، ڈاکٹر شمیم انور، حسن اثر، شہود عالم آفاقی، سجاد شاکری، کمال جعفری، یوسف تقی، قاصر مکرم پوری، احسن شفیق، مشتاق جاوید، ایم کے اثر، مطرب بلیاوی، جذب آنولوی، کنول سیالکوٹی، انجم عظیم آبادی، حبیب ہاشمی، منور رانا، احمد رئیس، شہناز نبی، اشہر ہاشمی، ریحانہ نواب، گھائل اعظمی، نور پیکر، ف۔ س۔ اعجاز، ایم۔ علی، معصوم شرقی، جعفر ساہنی، بازغ بہاری، ہری کنور رائے کنور وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں سے بیشتر شعراء نے خدائے پاک کی مدحت سرائی کی۔ اور حمد نگاروں کی فہرست میں اپنی حاضری درج کرائی۔ مثلاً:

ترا ہی بحرؔ سفینہ رواں بھی تیرا ہے
بھنور بھی تیرے ہیں اور بادباں بھی تیرا ہے

(مظہر امام)

مرے سینے میں سوزِ آرزو کس کی عنایت ہے
سبو میرا مئے ناب سبو کس کی عنایت ہے

(سالک لکھنوی)

جب فروغ مہ و اختر پہ نظر جاتی ہے
تیرے ہی حسن منور پہ نظر جاتی ہے

(قیصر شمیم)

یہ تیری مشیت کا ہے اک ادنیٰ کرشمہ
ہم بطن صدف میں جو گہر دیکھ رہے ہیں

(رونق نعیم)

کوئی معبود کیا تیرے سوا ہے
ترے ہی واسطے سجدہ روا ہے

(انجم عظیم آبادی)

حسن کاری یہ مری خوش ہنری تجھ سے ہے
رنگ و آہنگ کی یہ جلوہ گری تجھ سے ہے

(ناظم سلطان پوری)

ترے بس میں ہے مری آبروٗ تری شان جل جلا لہٗ
جو ہنسائے یا کہ رلائے توٗ تری شان جل جلا لہٗ

(بازغ بہاری)

ناشاد کے مجموعۂ کلام ''طوفان غم'' سے حمدیہ نظم کا ایک بند بھی دیکھیں:

کوئی مجھے بتائے تو　　کوئی پتا لگائے تو
زمیں سے آسمان تک　　ہیں قمقمے سجے ہوئے
بنانے والا کون ہے؟
سجانے والا کون ہے؟

اس دور کے چند اہم حمد گو شعرا کے اشعار بھی بطور مثال ملاحظہ کریں:

خدایا تو محمودؔ ذیشان ہے
یہ سارا جہاں تیری پہچان ہے
(احسن شفیق)

اعلیٰ ہے تو، عظیم ہے تو، ربِ ذوالجلال
رحمٰن ہے، رحیم ہے تو، ربِ ذوالجلال
(احمد رئیس)

مجھے بیم و رجا میں ڈال کر مسرور ہوتا ہے
وہی ہے قادر مطلق تو کیوں مغرور ہوتا ہے
(شہناز نبی)

کب ہوش مجھے آیا، تری شانِ کریمی
دنیا سے میں بھر پایا، تری شانِ کریمی
(ف س اعجاز)

تو ہے جو دریاؤں میں رستہ کرے
تو ہے جو ہر آگ کو ٹھنڈا کرے
(ریحانہ نواب)

گفتۂ دیدہ و لب جانتا ہے
وہ مرا حسنِ طلب جانتا ہے
(نور پیکر)

مالکِ دو جہاں تو ہی معبود ہے
ذرّے ذرّے میں بھی تو ہی موجود ہے
(معصوم شرقی)

تری زمیں، ترا فلک
ترے بشر، ترے ملک
(ہری کنور رائے کنور)

منور رانا کے شعری مجموعہ ''جنگلی پھول'' (۲۰۰۷) میں جو حمد یہ کلام موجود ہے اس کی نوعیت مناجاتی ہے۔ مثلاً یہ اشعار دیکھیں:

جب عزت و ثروت بخشی ہے اب روح کو بھی کچھ گہنے دے
توفیق غزل جب دی ہے مجھے پھر نعت بھی مجھ کو کہنے دے

وہ چاہے عرب ہو یا بھارت وہ پاک ہو چاہے افریقہ
پہلی سی شجاعت بخش انہیں اب ظلم نہ ان کو سہنے دے

ہاں مجھ کو سزا دینے کے لیے تو چھین لے ایک اک چیز مگر
ہونٹوں پہ محمدؐ رہنے دے آنکھوں میں مدینہ رہنے دے

کمال جعفری کے ہاں حمد نظم کی صورت میں ملتی ہے۔ مثال کے طور پر ان کے مجموعۂ کلام ''حرف دلنواز'' (۱۹۹۹ء) سے درج ذیل بند ملاحظہ کریں:

تیری ثنا میں وقف نہ کیوں ہو مری زباں
تو لازوال ہے کوئی ثانی ترا کہاں

اے خالق جہاں

۱۹۸۰ء کے بعد جو نسل سامنے آئی وہ کسی ازم کی پابند نہیں۔اسے ایسی کوئی فضا میسر نہیں ہوئی جو کسی خاص تحریک سے وابستہ رہی ہو۔یہ نسل آزاد فضا کی پروردہ تھی۔اسی فضا میں ۸۰ء کے بعد کے شعراء نے آزادانہ طور پر اپنے تجربات وافکار کو شعری پیراہن عطا کیا۔اور یوں فکر و لہجے کی جدت اور پر تمکنت جذبے کے ساتھ آسمانِ ادب پر نمایاں ہوئے۔ان کے ہاں نئے اجتہادات وامکانات کی نہ صرف رمق ہے بلکہ کامیابی کا ایقان بھی شامل ہے۔اس نسل نے جو کچھ دیکھا اور محسوس کیا اسی کو اپنی شاعری کا منبع بنایا۔ اس نسل کے پاس اپنی فکر اور اپنا شعور موجود ہے۔یہ نسل نہ مغربی اثرات سے مرعوب نظر آتی ہے اور نہ ہی اس سے گریزاں۔اس نسل کے یہاں تشکیک اور یکسانیت سے نبرد آزما ہونے کا پرعزم حوصلہ بھی موجود ہے۔بقول ڈاکٹر عاصم شہنواز شبلی:

’’۸۰ء کے بعد ایک نسل تیزی سے ابھر کر سامنے آئی۔یہ نسل اپنے پیش رووں سے قدرے مختلف یوں تھی کہ ان کے یہاں بلند آہنگی تھی اور یہ سماجی سروکار سے ہم رشتہ تھی۔لیکن ہر درجہ محتاط اور ہر طرح کی نعرہ بازیوں سے ماورا۔ان کا انسلاک سیاسی،سماجی،معاشی اور ثقافتی حوالوں سے ہے۔‘‘

(مشمولہ:مغربی بنگال کا شعری ونثری ادب۔مرتبین: ڈاکٹر شاہد ساز، ڈاکٹر امتیاز احمد۔ص:۷۹۔۸۰۔اثبات ونفی پبلی کیشنز۔کولکاتا۔۲۰۱۴ء)

نئی نسل کے سماجی شعور، اس کے مزاج، اس کی خود اعتمادی، اور اس کی انفرادیت کے متعلق ڈاکٹر شہپر رسول یوں رقم طراز ہیں کہ:

’’نیا تخلیقی ذہن کھلی فضا میں سانس لینا پسند کرتا ہے۔وہ کسی سے ڈکٹیٹ ہونے کی نہ ضرورت محسوس کرتا ہے اور نہ پسند کرتا ہے، اسی لیے کوئی مصنوعی ردا اوڑھنا اس کا مزاج نہیں......یہ نسل اپنے پیش رو جدید شعرا سے کئی اعتبار سے مختلف نظر آتی ہے......نئے شعراء کے بالکل نئے اور بدلے ہوئے طریق نے نئی غزل کے موضوعات، لفظیات اور اس کے مزاج میں جو ندرت، تازگی اور توانائی پیدا کی وہ بھلی بھی معلوم ہوتی ہے اور اہم بھی۔‘‘

(بحوالہ: تفہیم وتقلیب: ڈاکٹر عاصم شہنواز شبلی۔ص:۳۲۔اثبات ونفی پبلی کیشنز، کولکاتا۔۲۰۱۵ء)

۱۹۸۰ء کے بعد کا منظر ابتدائی دور سے بالکل مختلف تھا۔ ہم ایک ایسے دور میں سانسیں لینے پر مصر تھے جہاں جنگ ہتھیاروں کے بجائے کمپیوٹروں اور نیوکلئیر طاقتوں کے ذریعہ لڑی جارہی تھی۔ اسی عہد میں سرد جنگ کا خاتمہ ہوااور دنیاایک نئے عالمی نظام کے تحت ترتیب دی جانے لگی۔ جسے گلوبلائزیشن کے نام سے موسوم کیا گیا۔

گلوبلائزیشن تجارتی ومعاشی سطح پر ترقی یافتہ مما لک کی ایک بڑی پالیسی ہے۔ جس کے تحت تکنالوجی کے میدان میں کامیاب مما لک پوری دنیا میں اپنے پروڈکٹس اور اپنی تہذیب وثقافت کے فروغ کے ذریعہ روشن خیالی کو عام کرنے میں منہمک ہیں۔ نیٹ ورکس اورخدمات کے بہاؤ کی بآسانہ ترسیل نے دنیا کو عالمی گاؤں (global village) میں تبدیل کردیا۔ سہولیات کی بہ آسانی دستیابی کے سبب آج ہم سائبر عہد (cyber age) میں سانسیں لینے پر مصر ہیں۔

اس عالمی نظام (گلوبلائزیشن) نے تمام اقوام عالم کو متاثر کیا۔ ان کی سیاسی، معاشی، معاشرتی اورنظریاتی سطح پر قیامت خیز تبدیلیاں ہونا شروع ہوئیں۔ طاقت کے حصول میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا رجحان عام ہواتو عام زندگی کا سکون غارت ہونے لگا۔ ایسے ماحول میں ہمارا ملک بھی اپنی سیاسی، معاشرتی، معاشی اورتہذیبی استحکام میں سرگرداں تھا۔ ملک گیر سطح پر رنگین ٹی وی، کمپیوٹر، پیجرس، انٹرنیٹ، موبائیل فون اور سم کارڈ جیسی نئ ایجادات تحیر خیز سامانیوں کا ذریعہ بنیں۔ انسان نے چاند پر قدم رکھا۔ نئے نئے سیٹیلائٹس لانچ کیے گئے۔ نئ ایجادات نے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ خدمات مہیا کیں۔ جس سے ہماری خواہشاتِ تسخیرِ کائنات کچھ اورسوا ہونے لگی۔

مواصلاتی ترقی نے تحیر خیز انکشافات کے ذریعہ اچھے اور برے تک رسائی آسان کردی۔ جس کے طفیل انسان مادہ پرست بنا اور دنیاوی لذتوں میں غرقاب ہونے لگا۔ نئ تہذیب کی تقلید نے نماز، روزوں سے دور کیا تو ایک نسل اس کی اہمیت سے غافل ہوگئی۔ لہٰذا اپنی نسل کو بچانے کے لئے مذہبی تحفظ کا زور ہوا۔ ایسے پر مصائب دور میں بھی شعراء اپنی روایت سے وابستہ رہے۔ انہوں نے حمدیں کہیں اور خوب خوب کہیں۔ لیکن افسوس حمد سے زیادہ توجہ نعت گوئی کی جانب برتی گئی۔ حمد کی اہمیت ایسی ہی رہی جیسے عصری تناظر میں ایمان کی ہوتی ہے۔

حمد کے مقابلے نعت کی محفلیں آج بھی انتہائی شان وشوکت کے ساتھ منعقد کی جاتی ہیں۔ مغربی بنگال کے مختلف شہروں میں بالخصوص شہر کولکاتا کے مٹیا برج، زکریا سٹریٹ، راجہ بازار، پارک سرکس، اوراب تو ہر گلی ہر نکڑ پر نعتیہ محفل کا انعقاد بڑے ہی جوش وخروش کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ میلادالنبی کے موقع پر یا رمضان میں، قصیدہ خوانی کی محفلیں سجائی جاتی ہیں۔ علاوہ ازیں مقابلہ جاتی پروگرامز بھی کروائے جاتے ہیں۔ مغربی بنگال اردو اکاڈمی بھی نعتیہ مشاعرے کرواتی ہے۔ مگر حمد کے حوالے سے کوئی علاحدہ پروگرام نہیں کیا جاتا۔ اگر اسی طرح حمدیہ محفلیں بھی منعقد ہوتیں تو شاید آج ہندوستان میں حمدیہ ادب کا مقام کچھ اور ہوتا۔ اس سلسلے میں مشہور شاعر فراغ روہوی نے اپنی کتاب ''حمد کا عالمی انتخاب'' میں حمد پر نعت نگاری کی سبقت کا افسوس کیا ہے۔ ان کے مطابق حمد گوئی بہ نسبت نعت گوئی کے آسان ہے۔ کیونکہ یہاں خدا اور بندے کا معاملہ ہوا کرتا ہے جبکہ نعت گوئی میں مدحت رسول کرتے

ہوئے مرتبے کا لحاظ ضروری ہو جاتا ہے۔عصر حاضر میں حمد ونعت کے درمیان صنفی تمیز نہ رکھتے ہوئے، جو کوتاہیاں ہو رہی ہیں ان کے متعلق فراغ روہوی لکھتے ہیں:

’’حمد گوئی کی راہ میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ نہ کسی بندش یا شرط کا سامنا کرنا پڑتا ہے نہ کوئی مشکل آڑے آتی ہے اور نہ بھٹکنے کا کوئی خدشہ لاحق رہتا ہے۔یہ راہ تمام حدود و قیود سے آزاد ہے اور آزاد فضاؤں میں مبالغہ آرائی تو کیا غلو بھی ناقابلِ گرفت ہوا کرتا ہے۔تعجب ہے کہ حمد گوئی میں اس قدر چھوٹ حاصل ہونے کے باوجود اس سمت میں وہ پیش قدمی اور دلچسپی دکھائی نہیں دیتی جو نعت گوئی کی جانب دیکھنے میں آتی ہے جب کہ نعت گوئی میں مشکل مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔اس راہ میں بڑے ادب واحترام اور احتیاط کی شرط مقرر ہے۔اسی لیے نعت کو دو دھاری تلوار سے مثال دی گئی ہے۔یہاں ذرا بھی پاؤں پھسلا کہ گئے کام سے!

افسوس کا مقام یہ ہے کہ نعت گوئی میں وہ لفظیات و خیالات بھی نظم کیے جا رہے ہیں جن کو صرف حمد کے لیے مخصوص ہونا چاہیے۔بعض حضرات تو حمد اور مناجات کے فرق کا بھی لحاظ نہیں رکھ پاتے ہیں۔حمد یہ کلام میں بھی دستِ سوال دراز کر دیتے ہیں جو بالکل نامناسب عمل ہے۔حمد میں صرف خالقِ اکبر کی ثنا خوانی مقصود ہوتی ہے۔جب کہ مناجات میں ہم اپنی طلب اور مدعا بھی بیان کر سکتے ہیں اور ربِ ذوالجلال کی بزرگی اور قدرت کا اعتراف بھی۔حمد کہتے وقت ان باریکیوں کو پیشِ نظر رکھنا اشد ضروری ہے۔تاکہ حمد کی عظمت برقرار رہے۔ہمیں خدائے بزرگ و برتر کی ثنا خوانی میں قطعی بخالت سے کام نہیں لینا چاہیے۔حق تو یہ ہے کہ اپنی بساط سے بڑھ چڑھ کر اس کی مدح سرائی کا فریضہ ادا کرنا چاہیے۔‘‘

(حمد کا عالمی انتخاب۔مرتب: فراغ روہوی۔ص:۱۰۔۹۔مغربی بنگال اردو اکاڈمی، کولکاتا۔۲۰۱۹ء)

موجودہ زمانے میں حمدیہ ادب کے فروغ کے متعلق عالمی سطح پر تخلیقی، تنقیدی و تحقیقی کاوشیں جاری ہیں جو اس سے قبل اس تواتر سے نہیں ہو رہی تھیں۔ اس سلسلے میں سید صبیح الدین صبیح رحمانی اس خوش آئند پہلو پر رقم طراز ہیں:

''۔۔۔۔۔۔ ہمارے عہد میں مذہبی شاعری سے
کم اعتنائی کا یہ رویہ اگرچہ مکمل طور پر تو ختم نہیں ہوا
ہے لیکن قدرے کم ضرور ہوا ہے۔ اب ہمارے
ارباب تنقید اور اہل تحقیق دونوں ہی ان جواہر
پاروں کی ادبی پرکھ کی جانب بھی متوجہ ہو رہے
ہیں۔
عصری تنقیدی صورت حال کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے
کہ نعت نے تو خاصی حد تک ہمارے تنقیدی تناظر
میں اپنی ایک مستحکم حیثیت حاصل کر لی ہے اور
تنقید کے باب میں اس کی فکر افروزی و خردمندی
کے پہلو نمایاں ہوتے جا رہے ہیں۔ البتہ حمدیہ
ادب کے سلسلے میں ابھی کام کی بہت ضرورت اور
گنجائش ہے۔''

(اردو کا حمدیہ ادب: اجمالی مطالعہ۔ صبیح رحمانی۔ ص:۲۴۔ نعت ریسرچ سینٹر، کراچی۔ پاکستان۔ ۲۰۲۰ء)

حق ہے کہ صنف حمد گوئی محبت و عقیدت کا تقاضا کرتی ہے۔ لہٰذا عقیدت ہی شاعر سے وہ کام کروا دیتی ہے جو عام فکر نہیں کر پاتی۔ حمدیہ مضامین تقریباً تمام شعرا کے ہاں ایک سے ہوتے ہیں۔ فرق بس طرز اظہار کا ہوا کرتا ہے۔ چونکہ اس صنف میں خیالات کا ٹکراؤ عام سی بات ہے۔ لہٰذا یہاں اہمیت وفور جذبات کی ہو جاتی ہے۔ اس ضمن میں ۱۹۸۰ء کے بعد مغربی بنگال کے شعراء کی حمدوں سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

خدائے بزرگ و برتر، قادر مطلق ہے۔ یہ زمین و آسمان، چرند و پرند، حیوانات و نباتات، سب اس کے ایک کن کے محتاج ہیں۔ اس کی عنایتیں بے بہا ہیں۔ ہم چاہ کر بھی اس کی حمد و ثناء نہیں کر سکتے۔ سورہ لقمان کی آیت نمبر ۲۷ر ہے کہ:

''اگر زمین کے تمام درختوں کے قلم بنائے جائیں
اور تمام سمندر کی سیاہی بنائی جائے تب بھی خدا کی
باتیں (صفتیں) کبھی ختم نہ ہوں۔ بیشک اللہ
غالب حکمت والا ہے''۔

خدا، زمان و مکاں کی قید سے آزاد ہے۔ وہ ازل سے موجود ہے اور ابد تک اسی کو ثبات حاصل ہے۔ غالبؔ نے کہا تھا:

نہ تھا کچھ تو خدا تھا' کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے' نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

یہی مضمون احسان ثاقب کے ہاں اس طرح برتا گیا ہے:

ازل سے تو ابد تک تو یقیں ہے
وہاں ہے تو جہاں کوئی نہیں ہے

اسی طرح شہناز نبی کہتی ہیں:

وہ قرب و بعد کے قضیے سے رکھتا ہے الگ خود کو
لہو کی گردشوں میں پھر بھی سیل نور ہوتا ہے

راہی غازی پوری کے ہاں بھی اسی نوعیت کا شعر موجود ہے:

نظر میں تو کر نور حق پہلے پیدا
یہ کیا پوچھتا ہے کہاں وہ نہیں ہے

صدف جعفری کا یہ شعر بھی اسی مفہوم کو ادا کرتا ہے:

رنگ و خوشبو میں ہم نے کیا دیکھا
ہر جگہ اس کو برملا دیکھا

خدا، رازق العباد بھی ہے۔ اس نے ہر فرد کے رزق کا بہتر انتظام کر رکھا ہے۔ لہٰذا اس پر ایمان رکھتے ہوئے انسان کوشش کرتا رہے۔ وہ وہاں سے نوازے گا جہاں سے انسان نے تصور بھی نہ کیا ہوگا۔ خدا کی رزاقی کی ثناخوانی کرتے ہوئے احمد رئیس کہتے ہیں:

دیتا ہے رزق سب کو تو سب کے نصیب کا
قاسیم ہے تو، قسیم ہے تو، ربِ ذوالجلال

رزق کی کئی صورتیں ہوتی ہیں۔ دولت، شہرت، عزت و مرتبت، فنکاری، مصوری، شاعری، خوبصورتی اور ہنرمندی، یہ سب خدا کی جانب سے ودیعت ہوتی ہیں۔ لہٰذا خدا کی ودیعت کردہ نعمتوں کی شکرگزاری بھی بندوں پر فرض ہے۔ یہی سبب ہے کہ ڈاکٹر عاصم شہنواز شبلی، ساری ہنرمندی و فنکاری کا ذریعہ خدائے واحد کو قرار دیتے ہوئے اس کی مداحی یوں کرتے ہیں:

سر نیاز ہو خم اس کے آستاں پہ نہ کیوں
ہمیں تو نعمتِ دستِ ہنر اسی سے ملی

اسی خیال کو سجاد شاکری نے اس طرح برتا ہے:

رحم ہے رحم کیسا یہ رحمٰن کا
میں بھی مالک ہوا ایک دیوان کا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''اللہ جمیل ویحب الجمال''

یعنی خدا خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے۔ اسی لیے اس نے پوری کائنات کو خوبصورتی کا مرقع بنا کر پیش کر دیا۔ ذرے ذرے سے خالقِ کل کائنات کی فنکاری نمایاں ہے۔ اس کی صناعی کی توصیف کرتے ہوئے قیصر شمیم لکھتے ہیں کہ:

جب فروغ مہہ و اختر پہ نظر جاتی ہے
تیرے ہی حسن منور پہ نظر جاتی ہے

اختر بارک پوری کا یہ شعر بھی اسی نوعیت کا ہے:

لہروں کا یوں مچلنا، موجوں کا یوں اُچھلنا
اے کار ساز! تیری قدرت کا ہی اثر ہے

خدا قادر مطلق ہے۔ وہ ناممکن کو ممکن بنا سکتا ہے۔ ناممکنات کو ممکنات سے تبدیل کرنا ہی اس کی قدرت وعظمت کی نشانی ہے۔ خدا کی عظمت کا اعتراف بھی ہمارے شعرا نے اپنے اپنے طور پر کیا ہے۔ مثلاً، رونق نعیم کا یہ شعر دیکھیں:

یہ تیری مشیت کا ہے اک ادنیٰ کرشمہ
ہم بطنِ صدف میں جو گہر دیکھ رہے ہیں

ریحانہ نواب اپنے اس شعر میں خدائی بزرگی کا اعتراف کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ قادر مطلق نے ایک کن سے دنیا بنائی۔ وہ فنا کہہ دے تو دنیا مٹ جائے گی۔ جو کہ حق ہے:

تو فنا کہہ دے تو دنیا ختم ہے
لفظِ کن سے اک جہاں پیدا کرے

شبیر ابروی کے مطابق گل وثمر، شجر وحجر، تمام بحر وبر، سب خدا کی عظمت کی دلیل ہیں:

اسی کی نکہت، گل وثمر میں، وہی شجر میں، وہی حجر میں
جو بحر و بر میں بھی ہے ہویدا، وہی خدا ہے، وہی خدا ہے

زماں قاسمی نے بھی سورج کو خدا کی عظمت کی نشانی قرار دیا ہے جس سے آنکھیں ملانا کسی کے بس کی بات نہیں:

کس کی مجال تجھ کو نظریں جما کے دیکھے
ابھرے جلال تیرا سورج کی روشنی میں

اسی طرح خدائی قدرت کی رطب السانی کرتے ہوئے جاوید ہمایوں کا یہ شعر بھی ملاحظہ کریں جس میں شاعر نے پھول کو دیا سے مماثلت دی ہے۔ ان کے مطابق پھول کھلنے سے گلستان دیے سا روشن ہو جاتا ہے:

اک تبسم سے کلی کرتی ہے روشن گلستاں
خوشبوؤں کا ہے یہاں روشن دیا، تیری عطا

عنبر صدیقی کا یہ شعر بھی اسی قبیل کا ہے:

نگاہوں میں سمائے کس طرح سے تاب نظارہ
جدھر دیکھوں ترے جلوئے جہاں دیکھوں وہاں تو ہے

قرآن پاک میں یہ بھی درج ہے کہ:

"الا بذکر اللہ تطمئن القلوب"

بے شک اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان حاصل ہے۔ حق ہے کہ راحت وسکون کا باعث خدائے واحد کی ذات اور اس کا ذکر ہی ہے۔ یہ صبح وشام کا ہونا، رات اور دن کی تبدیلیاں،

زمین وآسمان کی گردشیں، ہوا، پہاڑ، بادل اور برسات، سب کچھ اسی کے حکم سے ہی رواں دواں ہیں۔اس ضمن میں اصغر ندیم نظامی کا یہ شعر بھی دیکھیں جس میں شاعر نے اذان کو فضاؤں کی نغمگی قرار دیتے ہوئے اسے خدا کو یاد کرنے کا ذریعہ قرار دیا ہے:

ہے فضاؤں میں جو یہ نغمگیٔ یہ اذانِ صبح کی دل کشی
تری یاد کا یہ کمال ہے، ترے نام کا یہ وقار ہے

مشکل ترین وقت میں جب انسان تمام تر دنیاوی حوصلے ہار جاتا ہے تو اس کے پاس آخری امید خدا کی ہوتی ہے۔خدا اپنے بندوں کا واحد سہارا ہے جو مشکل ترین وقت میں بھی حوصلہ بن کر ساتھ رہتا ہے۔اور انسان کو جینے پر ابھارتا ہے۔اس سلسلے میں چند مثالیں ملاحظہ کریں:

مشکل میں دیا کس نے دنیا کو سہارا ہے
یارب ترے بندوں نے بس تجھ کو پکارا ہے
(رضا جونپوری)

کرے جو دشت کو بھی لالہ زار تو ہی ہے
تمام غم کا مرے غم گسار تو ہی ہے
(شاہد نور)

جھکی ہے روبرو تیرے مری جبیں مولا
تو ہی فلک کا ہے مالک تری زمیں مولا
(آتش رضا)

ساتھ دیتا ہے خوشی میں آدمی
مشکلوں میں کام آتا ہے خدا
(سحر مجیدی)

خدا بڑا کارساز ہے۔وہ اگر اپنے بندوں کی مشکلیں آسان کرتا ہے تو وہی ان کا امتحان بھی لیتا ہے۔وہ دے کر بھی آزماتا ہے اور لے کر بھی۔گناہ کرنے میں انسان لذت تو محسوس کرتا ہے۔لیکن اس کے برے اثرات سے وہ دوچار بھی ہوتا ہے۔جب وہ خود احتسابی کرتا ہے تو پشیمانی دامن گیر ہو جاتی ہے۔وہ انتہائی عاجزی کے ساتھ خدا کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہے۔حالت پشیمانی میں بھی اس کا آسرا وہی ذات واحد ہوا کرتی ہے جو سزا دینے کی بھی صلاحیت رکھتی ہے اور بخش دینے کی بھی۔بشرط یہ کہ بندہ دل سے توبہ کرے۔اور راہ راست پر مستحکم رہے۔اس پیرائے میں فراغ روہوی کا یہ شعر دیکھیں جس میں شاعر یہ تصدیق کرتا ہے کہ گناہ دراصل نفس پرستی کا امتحان ہے۔لہٰذا ہر بندے کو چاہیے کہ وہ اس نکتے کو ملحوظ رکھتے ہوئے عاقبت سنوارنے کی کوشش کرے:

ہماری نفس پرستی کے امتحاں کے لیے
عجب سرور خدا نے گناہ میں رکھا

اسی طرح قاری اسماعیل ظفر کو بھی خدا کی بخشش و رحمت سے آس لگی ہے جو بشر کے گناہوں کو معاف کر دے گی:

مرے گناہ کو نیکی میں وہ بدل دے گا
ہے اس کی بخشش و رحمت پہ آسرا لوگو

کوثر پروین کوثر کا یہ شعر بھی اسی نوعیت کا ہے:

تیری رحمت پہ ہم کو بڑا ناز ہے
یہ جبینِ خطا اور سجدہ ترا

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ریاست مغربی بنگال بھی، حمدیہ ادب کے فروغ میں پیش پیش رہا۔ بنگال میں اردو شاعری کے ابتدائی زمانے میں صوفیاء اور اولیاء اللہ نے اپنی تعلیمات کو عام کرنے کی خاطر ایسے اشعار کہے جن میں حمد وتوصیف کے ساتھ ساتھ مناجات بھی شامل تھیں۔ گزرتے وقت کے ساتھ عقیدت ومحبت کے اظہار کی خاطر مختلف صورتوں میں حمدیں برتی جانے لگیں۔ مذہبی اثرات کی زیادتی کے سبب مذہبی شاعری بھی کی گئی جن میں تصوف کا زور زیادہ رہا۔ تبدیلیٔ زمانہ کے تحت انسانی افکار بھی تبدیلی سے ہم کنار ہوئے۔

ترقی کی دوڑ میں مشینوں کے ساتھ مقابلہ کرتا انسان مصروف ترین زندگی سے دوچار ہوا اور مذہب سے دوری میں مبتلا ہوا۔ لیکن جلد ہی اسے اس کا احساس ہوا اور وہ مذہب کی پناہ گاہ کی طرف لوٹا۔ مذکورہ مثالیں اس بات کی غماز ہیں کہ ۱۹۸۰ء کے بعد مابعد جدید دور میں جبکہ تہذیبی نقوش مٹتے جا رہے تھے، کئی مذاہب کا نام ونشان مٹ چکا تھا، انسان

لا مذہبیت میں مبتلا ہو چکا تھا، نئی تہذیب وتمدن کا غلبہ تیز تر ہونے لگا تھا، تب ہمارے شعرا نے اپنی روایت کی پاسداری کا التزام رکھا اور حمدیں کہیں۔ یہ اور بات کہ صورت اظہار مختلف رہی۔ عالمی سطح پر حمد ونعت کے میدان میں قابل قدر کارگزاریاں ہو رہی ہیں۔ اس حوالے سے کئی اہم تنقیدی وتحقیقی کاوشیں بھی سامنے آ رہی ہیں۔ مغربی بنگال کی سطح پر ۱۹۸۰ء کے بعد حمد کا یہ انتخاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ امید کرتی ہوں اس کوشش کی حوصلہ افزائی ہوگی!!

سعدیہ صدف
کولکاتا

جھکی ہے روبرو تیرے مری جبیں مولا
تو ہی فلک کا ہے مالک تری زمیں مولا

سب اپنے اپنے ٹھکانوں پہ مطمئن لیکن
نہیں سکون میسر مجھے کہیں مولا

ہر ایک شخص ہے اوڑھے فریب کی چادر
خود اپنے آپ پہ مجھ کو نہیں یقیں مولا

میں اپنی آنکھ کے آنسو بھی کیسے خشک کروں
مرے لیے کوئی دامن نہ آستیں مولا

میں جھوٹ بولا تو ہونے لگا مجھے محسوس
کھسک رہی ہے مرے پاؤں سے زمیں مولا

ترے حضور کہاں تک اٹھاؤں ہاتھ اپنے
مری دعاؤں میں تاثیر کیوں نہیں مولا

ہے کھویا کھویا سا وہم و گمان میں آتشؔ
ترے وجود کا اس کو دلا یقیں مولا

آتشؔ رضا، ہوڑہ

آسمانوں کو ستاروں سے سجایا تو نے
ارضِ گیتی کو چمن زار بنایا تو نے

اپنے بندوں کو اندھیرے سے بچایا تو نے
چاند سورج کو ضیا بار بنایا تو نے

تیری رحمت کی کوئی حد ہی نہیں اے مولا!
دشت و صحرا کو بھی گلزار بنایا تو نے

دے کے قرآن ہمیں شاہِ مدینہؐ کے طفیل
اپنی پہچان کا آئینہ دکھایا تو نے

تو ہی برحق ہے خدا تیرے سوا کوئی نہیں
جو غلط تھے اُنہیں مٹی میں ملایا تو نے

زندگی موت کا مالک ہے خدایا! تو ہی
اپنے قرآنِ مقدس میں بتایا تو نے

اپنے بندوں کی ضرورت کے لیے اے اللہ!
آب و آتشؔ، ہوا، مٹی کو بنایا تو نے

ابراہیم آتشؔ، ہوڑہ

ازل سے تو ابد تک تو یقیں ہے
وہاں ہے تو جہاں کوئی نہیں ہے

ترے اسرار دریاؤں پہ ظاہر
ترا احساس موجوں میں نشیں ہے

قلم کی نوک پر بیٹھا ہوا تو
کہ صوتی آگہی میں تو مکیں ہے

ٹھکانہ کس کو ہے معلوم تیرا
زمیں پر تو ہے یا عرشِ بریں ہے

تری پہچان کا یہ معجزہ ہے
تو جتنا دور ہے اتنا قریں ہے

میں ذرہ دیکھوں کہ مہتاب دیکھوں
جہاں بھی دیکھتا ہوں تو وہیں ہے

پریشاں ہے بہت احسان ثاقبؔ
کرم کردے تو رب العالمیں ہے

احسان ثاقب، آسنسول

خدایا تو محمود، ذیشان ہے
یہ سارا جہاں تیری پہچان ہے

یہ دریا سمندر، شجر اور حجر
ترے دم سے گلبن، گلستان ہے

ترے لفظ کن نے تماشہ دیا
نظر جلوہ زاروں میں حیران ہے

زمین و مکاں یا مکاں لامکاں
تری دسترس میں سب امکان ہے

فرشتوں سے سجدہ کرایا جسے
ترا خلق اکبر وہ انسان ہے

یہ حرکی نظامت، دماغ اور دل
جہاں آج تک جس پہ حیران ہے

رگ و ریشہ و جسم و جاں فکر و فن
یہ پیکر کرشموں کا وجدان ہے

احسن شفیق، ہوڑہ

اعلیٰ ہے تو، عظیم ہے تو، ربِ ذوالجلال
رحمٰن ہے، رحیم ہے تو، ربِ ذوالجلال

تیری نوازشوں کے طلب گار ہیں سبھی
سب سے بڑا کریم ہے تو، ربِ ذوالجلال

شعلوں میں کون، کون ہے مچھلی کے پیٹ میں
عالم ہے تو، علیم ہے تو، ربِ ذوالجلال

صدیوں سے ہے یہ فرشِ زمیں، بے ستون عرش
ان سب سے بھی قدیم ہے تو، ربِ ذوالجلال

پوشیدہ حکمتیں ہیں ترے حرف حرف میں
حاکم ہے تو، حکیم ہے تو، ربِ ذوالجلال

دیتا ہے رزق سب کو تو سب کے نصیب کا
قاسم ہے تو، قسیم ہے تو، ربِ ذوالجلال

ذہنِ رئیسؔ پر بھی ہے مولا! ترا کرم
اور دل میں بھی مقیم ہے تو، ربِ ذوالجلال

احمد رئیسؔ کولکاتا

سب سے برتر، سب سے اعلیٰ، اوپر والا
ہم ذرّے ہیں اور ہمالہ، اوپر والا

موجِ دریا، بادِ بہاراں، موجِ تبسم
پھول کی خوشبو، چاند کا ہالہ، اوپر والا

اہلِ ایماں کے چہرے روشن رہتے ہیں
ان کے دلوں میں بن کے اُجالا، اوپر والا

اپنے اچھے بندوں کی کرتا ہے حفاظت
بن دیتا ہے مکڑی کا جالا، اوپر والا

وہ نمرود کی آگ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے
نیل کا سینہ چیرنے والا، اوپر والا

ہو مضبوط ارادوں سے آغازِ سفر تو
اچھا کرے ہر پاؤں کا چھالا، اوپر والا

اس ناچیز کمالؔ کو اُس نے عزت بخشی
کرتا ہے ہر کام نرالا، اوپر والا

احمد کمال حشمیؔ کانکی نارہ

تو کون و مکاں کا خدا ہے، خدا ہے
ترے جیسا دوجا نہیں یہ پتا ہے

تجھے بھیڑ میں دیکھتا ہوں میں تنہا
کروں بند آنکھیں تو تنہا کھڑا ہے

سمندر کی ہلچل ہو یا شورِ دریا
پتا چل ہی جاتا ہے، تیری ادا ہے

ازل سے ابھی تک اُسی نے نوازا
مگر اُس کے گھر میں کہاں کچھ گھٹا ہے

علاجِ گراں مایہ بخشا ہے اُس نے
کلامِ خدا ہر مرض کی دوا ہے

احمد وکیل علیمی، کانکی نارہ

تو منفرد ہے یارب! سب سے عظیم تر ہے
تخلیقِ کُل میں اپنی بس تو ہی جلوہ گر ہے

موسم بدل رہا ہے، پھولوں میں آئی خوشبو
تیرے کرم سے مولا! ہر برگ تازہ تر ہے

ہم بندۂ ضرورت، حاجت روا ہے تو ہی
تیرا کرم ہے سب پر، سب کی تجھے خبر ہے

لہروں کا یوں مچلنا، موجوں کا یوں اُچھلنا
اے کارساز! تیری قدرت کا ہی اثر ہے

تیری عنایتوں سے لہرا رہے ہیں پودے
گلشن میں حسن تیرا، سب پر تری نظر ہے

سجدے میں ہیں ملائک حمد و ثنا میں تیری
تجھ کو روا ہے سجدہ، تو ہی عظیم تر ہے

شاعر ہوا ہے اختؔر فضل و کرم سے تیرے
مختارِ کُل ہے تو ہی، تو ہی تو با اثر ہے

اختر بارک پوری، بارک پور

ہراک دل میں نہاں تو ہے، ہراک شے سے عیاں تو ہے
صدائے کن فکاں تیری، پسِ کون و مکاں تو ہے

تری ہی ذات کے ہم عکس ہیں، ہر پل ہیں ضم تجھ میں
جہاں تو ہے وہاں ہم ہیں، جہاں ہم ہیں وہاں تو ہے

تو ہی تو ہے جدھر دیکھوں، جہاں ڈھونڈوں وہاں پاؤں
مگر یہ بات بھی سچ ہے کہ مولا! لا مکاں تو ہے

ہے تو ہی مالکِ ارض و سما، ہر چیز ہے تیری
ہر اک تخلیق کا خلاق اے اللہ میاں! تو ہے

قلم خاموش ہے، افکار کے بھی جل رہے ہیں پر
تصور سے پرے جو ہے وہی سرِّ نہاں تو ہے

کہیں مظلوم کی آہوں میں تیری ذات ہے پنہاں
کہیں مردِ مجاہد کے لیے عزمِ جواں تو ہے

مرے سینے میں جو دل ہے، مرے دل میں جو دھڑکن ہے
کبھی اس سے عیاں تو ہے، کبھی اس میں نہاں تو ہے

ارشاد آرزوؔ کولکاتا

تو رحیم ہے، تو کریم ہے، تو جمال ہے، تو جلال ہے
مرے ہوش مجھ سے جدا سہی، مجھے پھر بھی اتنا خیال ہے

تو ودود بھی، تو غفور بھی، تو حلیم بھی، تو حفیظ بھی
یہاں تو ہی تو، وہاں تو ہی تو، جو عیاں ہے تیرا جمال ہے

تو شکور بھی، تو غفور بھی، تو حلیم بھی، تو حفیظ بھی
یہ لطافتیں، یہ عنایتیں، ترے دم سے ہیں، تو کمال ہے

تو خبیر بھی، تو بصیر بھی، تو مجیب بھی، تو علیم ہے
میں دعا کو ہاتھ اٹھاؤں کیا ترے سامنے میرا حال ہے

تری قادری، تری ماجدی، تری اکبری، ترا مظہریؔ
اے مرے خدا! اے مرے خدا! مرا فن بھی تیرا کمال ہے

ارشاد مظہریؔ کولکاتا

خالقِ بحر و برّ، مالکِ خشک و تر
محو حمد و ثنا میں ہیں قلب و جگر

ذرّے ذرّے میں تو، قطرے قطرے میں تو
تیری جلوہ نمائی ہے ہر ایک سو

تونے آدمؑ کو تاجِ خلافت دیا
تونے نورِ محمدؐ کو ظاہر کیا

علم و دانش کی دولت اسے بخش دی
ساری خلقت میں اشرف ہوا آدمی

تیرے فضل و کرم کی نہیں انتہا
تونے پیدا کیے ہیں یہ ارض و سما

چاند، سورج، ستارے منور کیے
کتنے سامان ہیں روشنی کے لیے

حمد ارشدؔ سے تیری ہو کیسے بیاں
تیری توصیف کے کب ہے لائق زباں

ارشدالاعظمی، حاجی نگر

میرے ہونٹوں پہ نام تیرا ہے
تذکرہ صبح و شام تیرا ہے

تو شہنشاہ بادشاہوں کا
سارا عالم غلام تیرا ہے

تاجدارِ حرمؐ ہیں تیرے رسول
اور قراں کلام تیرا ہے

کون محروم ہے کرم سے ترے
چار سو فیضِ عام تیرا ہے

کچھ کمی سی ہے ہر حسیں شے میں
اور حسنِ تمام تیرا ہے

کون دے گا پناہ اسلمؔ کو
میرے مولیٰ، یہ کام تیرا ہے

اسلم لکھنوی، کولکاتا

کُل بحر و بر ہیں تیرے
یہ خشک و تر ہیں تیرے

ہے خالقِ جہاں تو
فرد و بشر ہیں تیرے

وصفِ نمو ہے تیرا
نخل و شجر ہیں تیرے

پھولوں میں تیری خوشبو
برگ و ثمر ہیں تیرے

اس کائنات میں سب
زیرِ اثر ہیں تیرے

یہ نورِ حق کے مخزن
شمس و قمر ہیں تیرے

پرواز کو میسر
یہ بال و پر ہیں تیرے

اسمٰعیل پرواز، ہوڑہ

اُس کی قدرت کا احاطہ کیا کرے کوئی حصار
حدِ کائنات کے باہر بھی جس کا اختیار

سارے پیمانے ہوں جس کے سامنے جب سرنگوں
کس طرح سے اُس کی پھر ان نعمتوں کا ہوشمار

فلسفوں کی موشگافی ایک کارِ لا حصل
وسعتیں فکر و نظر کی اُس کے آگے شرمسار

منحصر ہو کیا زماں پر اُس کی ذاتِ لم یزل
خود زماں کرتا ہو جس کی ذات پر جب انحصار

ہر جہت میں تو ہی تو ہے کیا وحود اور کیا شہود
دہریوں کی کیا خزائیں، کیا مذاہب کی بہار

یہ نظامِ فرشیہ ہو یا نظامِ عرشیہ
بس تری ہی ذات پر ہے دونوں کا دارومدار

اشرف احمد جعفری، کولکاتا

بروزِ محشر مجھے خدایا! رہے گا ہر پل خیال تیرا
کہ دل پہ طاری رہے گی ہیبت، نظر میں ہوگا جلال تیرا

تری حکومت ہے کُل جہاں پر، ترا تسلط ہے ہر سماں پر
ترا ہی مشرق، ترا ہی مغرب، جنوب تیرا، شمال تیرا

نہ جانے کیسے بنایا تونے، نہ جانے کیسے سجایا تونے
جہاں کے ہر جلوۂ حسیں سے جھلک رہا ہے جمال تیرا

بڑی انوکھی ہے ذات تیری، ہے جاں فزا بھی، تو جاں گُسل بھی
وہیں پہ سایہ فگن ہے رحمت، جہاں ہے قائم جلال تیرا

کوئی نبی ہو، کوئی ولی ہو، کوئی ہو عالم، کوئی ہو فاضل
کمال جو کچھ بھی ہے کسی میں، کمال وہ ہے کمال تیرا

بڑا ہی اعلیٰ، بڑا ہی ارفع، بڑا معظّم، بڑا مکرم
ہے نام تیرا کہ وجہِ تسکیں ہے ذکر تیرا، خیال تیرا

مرے قلم نے وہی ہے لکھا جو تونے لکھوا دیا ہے ورنہ
بیان اشرفؔ سے یوں نہ ہوتا کبھی یہ وصف و کمال تیرا

اشرف علی اشرف، ہوڑہ

جو روز و شب کا ہے مالک وہی زمان کا ہے
وہی زمین کا خالق جو آسمان کا ہے

وہی یقین میں داخل، وہی گماں میں شریک
خبر ہے اس کی بھی اُس کو جو درمیان کا ہے

خرد کے ذہن میں یہ بات کیوں نہیں آتی
زباں داں کا وہ رب ہے جو بے زبان کا ہے

اُسی نے طاقتیں بخشیں، اُسی کا فیضِ کرم
کہ ذرّے ذرّے میں جو حوصلہ چٹان کا ہے

وہ لاشریک ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں
اُسی سے مانگ کہ رازق جو دوجہان کا ہے

یہ کوہ و دشت، سمندر، پہاڑ سب اُس کے
قصیدہ جھرنوں کے لب پر اُسی کی شان کا ہے

عطا جو کرتا ہے سورج کو رات کا سایہ
مرا وظیفہ بھی اشرفؔ اُسی کی شان کا ہے

اشرف یعقوبی، کولکاتا

نظاروں میں بھی شانِ وحدت ہے کس کی
جو تیری نہیں تو یہ عظمت ہے کس کی

چمک دھوپ میں، چھاؤں میں تجھ سے ٹھنڈک
برستی گھٹاؤں میں رحمت ہے کس کی

گلوں میں عطا رنگ و نکہت کی صورت
کلی کے لبوں پر نزاکت ہے کس کی

ہیں شمس و قمر کس کی طاعت میں ہر پل
اُجالے ہیں کس کے، یہ ظلمت ہے کس کی

کلیسا میں ہو یا کہ دیر و حرم میں
ہے کس کی پرستش، عبادت ہے کس کی

حقیقت بیاں ہر نفس کر رہا ہے
ہے کس کا جہنم تو جنت ہے کس کی

نوازے جو اشفاقؔ کو علم و فن سے
خزینے ہیں کس کے یہ دولت ہے کس کی

اشفاق احمد اشفاقؔ، کولکاتا

مجھے نعمتیں اپنی سب دینے والا
کرم اور یہ بے طلب دینے والا

یہ دنیا بھی تیری ہے عقبیٰ بھی تیرا
تو تب دینے والا، تو اب دینے والا

کیا ہے ہدایت کا سامان تو نے
تو ہادیِ اُمّی لقب دینے والا

مرے ہاتھ پھیلیں نہ کیوں تیرے آگے
ہے تیری طرح کوئی کب دینے والا

کرے شکر تیرا نہ کیوں اشکؔ پیہم
تو ہی تو ہے ذوقِ ادب دینے والا

اشک آروی، بیلگچھیا

بہت اپنے بندوں پہ تو مہرباں ہے
پکارے جو تجھ کو تو دیتا اماں ہے

مجھے نارِ دوزخ نہیں چھو سکے گی
''لبوں پر ثنائے خدائے جہاں ہے''

دیا تونے دریا میں موسیٰؑ کو رستہ
خدا! تیری قدرت میں کس کو گماں ہے

سبھی تیرے آگے ہیں مجبور مولا!
تو ہی سب کا مالک ہے، ربِ جہاں ہے

کروں کس طرح سے میں توصیف تیری
ثنا اور تیری! یہ کمتر زباں ہے

ندیمؔ گنہگار پر لمحہ لمحہ
خدا! تیری رحمت کا دریا رواں ہے

اصغر ندیم، ہوڑہ

تری جستجو، تری بندگی، مری زندگی کا شعار ہے
تری یاد ہی میں نہاں خدا! مرے دل کا صبر و قرار ہے

ہے فضاؤں میں جو یہ نغمگی، یہ اذانِ صبح کی دل کشی
تری یاد کا یہ کمال ہے، ترے نام کا یہ وقار ہے

جو شعاعِ شمس سے ہے عیاں، جو رخِ قمر سے ہے ضو فشاں
اسی روشنی کے طفیل ہی یہ نظامِ لیل و نہار ہے

ترے عشق ہی نے عطا کیا مجھے ہر مقام پہ حوصلہ
ترے عشق ہی سے مرے خدا! مری زندگی کا وقار ہے

تری رازقی کو گناؤں کیا، تری قاسمی کو بتاؤں کیا
جہاں رزق پاتا ہے ہر کوئی مرے رب! ترا وہ دیار ہے

ترے نور کی یہ تجلیاں ہیں شبِ سیاہ میں راہبر
ترے حسن ہی سے تو گلستاں میں ہر ایک سمت بہار ہے

ترا وصف کیا میں بیاں کروں کہ ترے کرم ہی سے باغ میں
ہے کلی کلی بھی کھلی ہوئی، گل و لالہ پر بھی نکھار ہے

اصغر ندیم نظامی، کولکاتا

میں گنہ گار، پارسا تو ہے
بحر ظلمات میں دیا تو ہے

سب خطا کار سر جھکائے ہوئے
اور ان سب میں بے خطا تو ہے

میں تو بھٹکا ہوا مسافر ہوں
میری منزل کا راستہ تو ہے

میری ہر سانس قرض دار تری
تیرا بندہ ہوں میں، خدا تو ہے

کوئی سرحد تری عطا کی نہیں
ہر کسی کو تو پالتا تو ہے

تجھ سے قائم یہ زندگانی ہے
ہر نفس مجھ میں جاگتا تو ہے

میں یہی سوچ کر ہوں خوش اصغؔر
میں جہاں بھی رہوں مرا تو ہے

اصغر شمیم، کولکاتا

صبح لکھوں یا شام لکھوں
اک تیرا ہی نام لکھوں

سب کے نام بنام لکھوں
جب تیرا پیغام لکھوں

سب کچھ کرکے تیرے سپرد
خود کو میں بے دام لکھوں

لفظ تجھی سے سب منسوب
خاص لکھوں یا عام لکھوں

ہر شے میں ہے تو ہی تو
کیسے تجھے گمنام لکھوں

جو بھی میسر ہے مجھ کو
سب تیرا انعام لکھوں

کہہ کے تجھے پردے والا
تیرا چرچا عام لکھوں

اکبر حبیبی، کولکاتا

اُجالا بخشنے والے، اندھیرا بخشنے والے
پھر ان کے درمیاں وحدت کا رشتہ بخشنے والے

بدن ہی کیا، جھلس جائے جہاں احساس کا چہرہ
مسافر کو اُسی صحرا میں سایہ بخشنے والے

کبھی تو آبشاروں کی نمی پتھر کے ہونٹوں پر
کبھی کہسار کے سینے میں لاوا بخشنے والے

ہنر تیرا ہے، آب و گل ترے، صورت گری تیری
ہمارے چاک کی گردش کو کوزہ بخشنے والے

چہکتی، گاتی، اِٹھلاتی ہواؤں کی شرارت پر
کلی کو مسکرانے کا سلیقہ بخشنے والے

اب اس کے بعد کوئی سمت آنکھوں کو نہیں بھاتی
ہمارے منتشر سجدوں کو کعبہ بخشنے والے

تری قدرت کی ہر تفسیر لایعنی ہی ٹھہرے گی
جہاں بھر کے ذرائع کو ذریعہ بخشنے والے

اکبر حسین اکبرؔ کولکاتا

حرفوں کو آواز کا جادو دینے والا میرا رب
لفظوں کو معنی کی خوشبو دینے والا میرا رب

اندھیاروں کو نور کا پرتو دینے والا میرا رب
رات کو چاند، ستارے، جگنو دینے والا میرا رب

سورج کے تن کو اُجلا پن اور امبر کو نیلا پن
کھیتوں میں ہریالی ہر سو دینے والا میرا رب

پتّوں میں لہرانے کا فن، کانٹوں میں چبھنے کا ہنر
پھولوں میں رنگت اور خوشبو دینے والا میرا رب

نغمہ، گیت، ترانہ، سرگم خوشیوں میں تحفے اُس کے
وقتِ مصیبت دل پر قابو دینے والا میرا رب

خطرے میں اسلام اگر آ جائے تو پھر وقتِ جہاد
ہمتِ مرداں، قوتِ بازو دینے والا میرا رب

اکرمؔ! آنکھیں کھول کے دیکھو چاند کے جیسے چہرے پر
کالا کالا ابر سا گیسو دینے والا میرا رب

اکرم بارک پوری، بارک پور

چار سو بکھر ہوئے ہیں تیری قدرت کے نشاں
اِس جہاں سے اُس جہاں تک اور کوئی ہے کہاں

کون ہے تیرے سوا جو دے گلوں کو رنگ و بو
تجھ سے ہی شاداب ہے یہ زندگی کا گلستاں

تو فقط دیر و حرم میں ہے یہ کس نے کہہ دیا
ہر جگہ موجود ہے تو اے خدائے دو جہاں!

تو ہے سب میں اور سب تجھ میں ہیں اے پروردگار!
تو ہی قطرہ، تو ہی دریا، تو ہی بحرِ بے کراں

تو محبت کے سفر میں، عشق کی منزل میں تو
تیرے ہی دم سے رواں ہے زندگی کا کارواں

مندروں میں گھنٹیاں بجتی ہیں تیرے نام کی
مسجدوں میں گونجتی ہے تیری آوازِ اذاں

کتنے احسانات ہیں تیرے اگم پر اے خدا!
نعمتیں بخشی ہیں جو تو نے کروں کیا کیا بیاں

اگم شرما، کولکاتا

نہیں دیکھا، مگر ایمان ہے تیری خدائی پر
ہمیں ہے ناز تیری ذات، تیری کبریائی پر

نہ کوئی ہے ترا ثانی نہ کل تھا اور نہ کل ہوگا
شک و شبہ کوئی کیسے کرے تیری بڑائی پر

ہر اک ذرّہ ترے ہی ذکر میں مصروف رہتا ہے
کوئی پورا اُتر سکتا نہیں مدحت سرائی پر

تجھی سے مانگتا ہوں اس لیے شکوہ بھی کرتا ہوں
مجھے تو درگزر کر اے خدا! اس لب کشائی پر

تو ہی ہے قادرِ مطلق، تری ہی حکمرانی ہے
بھروسہ ہے ترے بندے کو تیری رہنمائی پر

سنو اے ظالمو! ڈرتے رہو قہرِ الٰہی سے
نہ ہو جاؤ بہت مغرور اپنی کج ادائی پر

اے اعظم! صدقِ دل سے حکمِ مولا ماننے والے
ہمیشہ تم رہو قائم اسی طرزِ گدائی پر

امام اعظم، کولکاتا

تازگی غنچے کو گل کو دلکشی دیتا ہے کون
اور پھر ان کو ادائے دلبری دیتا ہے کون

کون ہے، دریا رواں رہتا ہے کس کے فیض کا
آب روح افزا برائے تشنگی دیتا ہے کون

یہ سلیقہ، یہ تمدن اور یہ حسن ادا
زندگی دے کر شعور زندگی دیتا ہے کون

میں جو کر لیتا ہوں طے دشوار تر ہر مرحلہ
حوصلوں کی اڑانیں ہر گھڑی دیتا ہے کون

نا امیدی کے اندھیروں میں دل صد لخت کو
اے خدا یہ رحمتوں کی روشنی دیتا ہے کون

میرے قرطاس ہنر کی بے لباسی کے لیے
یہ قبائے حسن شعر و شاعری دیتا ہے کون

میں تو اتنا جانتا ہوں دل شکن ماحول میں
جز خدا ساغرؔ یہ عزمِ زندگی دیتا ہے کون

امان اللہ ساغرؔ کولکاتا

زباں پہ حمد و بیاں لا الٰہ الا اللہ
ثنائے ربِ جہاں لا الٰہ الا اللہ

سکونِ قلب میسر ہے ذکر سے ہر دم
ترانۂ دل و جاں لا الٰہ الا اللہ

ترے وجود کا ہر ذرّہ کیوں نہ ہو شاہد
ہر ایک شے سے عیاں لا الٰہ الا اللہ

نگاہ کانپ اُٹھی صاحبِ عزیمت کی
نظر میں تھا وہ سماں لا الٰہ الا اللہ

شجر ہو یا کہ حجر، آدمی ہو یا حیواں
سبھی ہیں نغمہ کناں لا الٰہ الا اللہ

وہ ذات پاک ہر اک عقل و فہم سے برتر
ہے ایک سرِّ نہاں لا الٰہ الا اللہ

شمال ہو کہ ہو مغرب، جنوب یا مشرق
چہار سو ہے اذاں لا الٰہ الا اللہ

امین عامرؔ ہوڑہ

کوئی معبود کیا تیرے سوا ہے
ترے ہی واسطے سجدہ روا ہے

جہانِ رنگ و بو کا ذکر ہی کیا
ہر اک شے میں تو ہی جلوہ نما ہے

شعورِ شعر و فن ہے تیری بخشش
قلم کا تجھ سے ہی جوہر کھلا ہے

بنا دیتا ہے مفلس کو تونگر
کرم ہے، مہربانی ہے، دیا ہے

حیات و موت پر تیرا ہی قبضہ
مری سانسوں کا تجھ سے سلسلہ ہے

کھلایا تونے گلزارِ محبت
ترے ہی دم سے الفت کا مزا ہے

ہوئی ہے دور بدحالیٔ انجم
مرے اللہ! یہ احساں ترا ہے

انجم عظیم آبادی، کولکاتا

جہاں میں ہر جگہ موجود وہ اور لامکانی ہے
وجودِ انس کیا سمجھے شبیہہ جاودانی ہے

جسے ہم لم یزل کہتے نہیں اس کا ہی ثانی ہے
سبھی احساس ہیں تابع اسی کی کامرانی ہے

ہوا کیا ہے فضا کیا ہے یہ ساری ملکیت اس کی
اشاروں پر چلیں سب ہی مثالی حکمرانی ہے

صدائے دل کرے ظاہر بسا سانسوں میں وہ ہی وہ
ذرا سی روک سے اس کے کہاں پھر زندگانی ہے

یہ سارے پھول پودے خوشنما منظر ترے دم سے
تری صناعی کے ضامن صداقت کی نشانی ہے

سبھی ذرے ترے ہی نام کے پڑھتے وظیفے ہیں
فقط تیری کریمی پر شعار شادمانی ہے

یقیں کے گل مہک اٹھے یہ انوؔر کے اثاثے ہیں
گلابوں کے کٹوروں میں حقیقت کی نشانی ہے

انور بارہ بنکوی، کولکاتا

کہیں حسن ہے، کہیں آئینہ کہیں تیرگی، کہیں نور ہے
تری ذات پاک ہے بے کراں، ہراک عقل وفہم سے دور ہے

تو سخی ہے، بندہ نواز ہے، تو ہی بخششوں کا مجاز ہے
تو رفیق ہے، تو شفیق ہے، تو رحیم ہے، تو غفور ہے

کبھی قہر ہے تو کبھی عطا، یہ عجیب سی ہے تری ادا
تو کہیں پہ سوز و گداز ہے، تو کہیں پہ دل کا سرور ہے

تو ہی برگ برگ کلی کلی، تو ہے ڈال ڈال شجر شجر
ترے نور کا یہ کمال ہے کہ تمام شے کا ظہور ہے

یہ مری خطا سرِ زندگی، مری چاہتیں ابھی خام ہیں
تو حجابِ رُخ نہ اُٹھا سکا، نہیں اس میں تیرا قصور ہے

اے خدائے کون ومکاں مرے، ترا قرب خلدِ انیسؔ ہے
نہ بہشت کی مجھے آرزو نہ تو مجھ کو خواہشِ حور ہے

انیس عظیم آبادی، کمرہٹی

زمیں تجھ سے، فلک تجھ سے
بشر تجھ سے، ملک تجھ سے

ہے شبنم میں نمی تیری
ہے شعلوں میں لہک تیری

لبوں پر شادیٔ نغمہ
دلوں میں ہے کسک تیری

ہے تجھ سے سنگ میں سختی
ہے ڈالی میں لچک تیری

چبھن پائی ہے کانٹوں نے
گلوں میں ہے مہک تیری

ہے صحراؤں میں ویرانی
فضاؤں میں دھنک تیری

علیؔ کی فکر میں خوشبو
ہے لفظوں میں دمک تیری

ایم۔علیؔ، ہوڑہ

کسی بھی شے کا وجود کب تھا جلالِ ربّ العلیٰ سے پہلے
اُسی کی قدرت تھی کارفرما یہ عرش و تحت الثریٰ سے پہلے

دعائے یونسؑ کی التجا میں، دعائے قلبِ خلیل میں بھی
کہ اُس کی حد کا شمار کیا ہو شمارِ شکلِ جزا سے پہلے

تھا لحنِ داؤد میں کبھی وہ، وہی تھا طور و کلیم میں بھی
نہاں عیاں کا سوال کب تھا تمام ارض و سما سے پہلے

ہر ایک شاخِ شجر کی خوشبو بتا رہی ہے فضا کی حالت
ہے سرخ رنگت گلوں کی کیسی، بنایا کس نے حنا سے پہلے

مقامِ عرفان و آگہی میں رواں رہا تھا شعورِ انساں
سمجھتا کیسے یہ سرِّ قدرت قرآنِ رب کی صدا سے پہلے

نگارشِ صبحِ نو نہ ہوتی اگر رضائے خدا نہ ہوتی
سماعتوں میں ادا نہ ہوتی، عطائے نورِ خدا سے پہلے

خدائے برتر کی یہ تھی مرضی کہ سمجھے خلقت خدا کی عظمت
کوئی بتائے کہ کوئی کب تھا خدا کی حمد و ثنا سے پہلے

ایم۔ کے۔ اثرؔ کولکاتا

یہ مہر و ماہِ منور غلام تیرے ہیں
تمام نور کے مظہر غلام تیرے ہیں

تغیراتِ زمانہ ہیں تیری قدرت میں
یہ عرش و فرش کے منظر غلام تیرے ہیں

کہاں کہاں نہ غلامی میں ہے تری خلقت
یہ سیپ سیپ میں گوہر غلام تیرے ہیں

ترے جہاں کے گداؤں کا ذکر کیا یارب!
زمانے بھر کے سکندر غلام تیرے ہیں

کروں نہ کیوں میں اطاعت تری مرے مولا!
تمام پیر پیمبر غلام تیرے ہیں

تری رضا پہ ہے موقوف فکر کی پرواز
تخیلات کے شہپر غلام تیرے ہیں

ترا غلام ترا نصؔر کیوں نہ ہو یارب!
کہ ذی وقار سخنور غلام تیرے ہیں

ایم۔ نصر اللہ نصرؔ ہوڑہ

جلوے جلوے سے عیاں نور خدایا! تیرا
کون سی شے ہے کہ جس میں نہیں جلوہ تیرا

تو جسے چاہے عطا ملک کرے، عزت دے
دینا چاہے تو ہے ذلت پہ بھی قبضہ تیرا

ہمسری کون کرے دہر میں یارب! تیری
تو اچھوتا ہے، ہر اک کام انوکھا تیرا

پھول پتّوں کو دیئے رنگ، ہوا کو نغمے
چاند تاروں سے ہویدا ہے اُجالا تیرا

گُل کی تخلیق میں پوشیدہ ہے حکمت تیری
گُل کے مٹ جانے سے ظاہر ہے کرشمہ تیرا

بحر و بر، جن و بشر اور عجوبے مخلوق
جس کو دیکھو وہی سو جان سے شیدا تیرا

اُس کے ہی حکم سے مغرور پیامیؔ تو ہے
اُس نے چاہا تو ہوا علم دوبالا تیرا

ایوب پیامی، کولکاتا

ترے بس میں ہے مری آبرو، تری شان جل جلالہٗ
جو ہنسائے یا کہ رلائے تو، تری شان جل جلالہٗ

تو رحیم ہے تو کریم ہے، تو ہی رام ہے تو ہی شیام ہے
تو ہی گاڈ ہے، تو ہی واہے گرو، تری شان جل جلالہٗ

کوئی مضمر اس میں بھی راز ہے کوئی غزنوی تو ایاز ہے
یہ بھی کھیل ہے ترے ہی تھرو، تری شان جل جلالہٗ

یہ جو بکھری زلف حیات ہے، جو سنوار دے تو کیا بات ہے
مرا چاک گریباں ہے کر رفو، تری شان جل جلالہٗ

یوں تو شیخ اہل زبان ہیں، وہ سراپا فن کی دکان ہیں
مگر عضو کو وہ پڑھیں عضو، تری شان جل جلالہٗ

میں ہوں شاعروں میں جو خوش گلو، تو مشاعروں میں ہوں سرخ رو
تو نے بخشی عزت و آبرو، تری شان جل جلالہٗ

وہ جو سر پہ تاج خطاب ہے، تو وہ بازغؔ عالی جناب ہے
ہیں گدھے بھی اب مد ظلہٗ، تری شان جل جلالہٗ

بازغ بہاری، کولکاتا

جبینِ شوق نے کچھ اس طرح سجدہ کیا تیرا
کہ دنیا کھو گئی، بس رہ گیا اک آسرا تیرا

ترے جلوے کی تابانی کا پردہ کب اُٹھا مجھ پر
مری مشتاق آنکھوں سے رہا جلوہ خِفا تیرا

میں اثبات ونفی کی ضرب یوں سہتا رہا دل پر
کہ مشتِ خاک کو کرتا رہا اک آئینہ تیرا

بڑائی سے تری مداح خود بھی فیض پاتا ہے
مری عزت کا باعث ہے جہاں میں تذکرہ تیرا

سرورِ بے خودی، علم و ہنر، یہ راحتِ دنیا
ہے جو بھی بدؔر کا مولا! وہ ہے سب کچھ دیا تیرا

بدرالدین بدرؔ کولکاتا

سب کا معبود اے خدا تو ہے
ساری دنیا کو پالتا تو ہے

تیرے بندے بھٹک نہیں سکتے
ظلمتِ زیست میں ضیا تو ہے

راہِ حق ہے دکھانے والا تو
چلنے والوں کا رہنما تو ہے

تجھ سے کچھ بھی نہیں چھپا یارب!
میرا ہر راز جانتا تو ہے

جس میں ہر شے کا راز ہے پنہاں
ایک وحدت کا آئینہ تو ہے

کیوں نہ مانگے دعائیں تجھ سے سحؔر
اُس کا معبود اے خدا تو ہے

بشریٰ سحرؔ کولکاتا

بارشِ رحمت یہاں برسانے والا کون ہے
شاخِ جاں میں پھول اور پھل لانے والا کون ہے

تو ہے قادر، تو ہے داتا، مدح خواں ہیں سب ترے
تیری عظمت کو بھلا جھٹلانے والا کون ہے

تیری قدرت کے ہیں اک ادنیٰ کرشمہ مہر و ماہ
دو جہاں میں روشنی پھیلانے والا کون ہے

یاس کی تاریک شب میں، رنج وغم کی دھوپ میں
اپنے بندوں پر کرم فرمانے والا کون ہے

میری قسمت میں اندھیرا ہے، مگر تیرے سوا
قسمتِ تاریک کو چمکانے والا کون ہے

اس گدائے بے نوا اخترؔ کو تیرے اے خدا!
دینے والا کون ہے، دلوانے والا کون ہے

بلند اختر شہودی، کولکاتا

تیرے آگے میرا سر سجدے میں ہر دم لگتا ہے
جتنا تیرا شکر ادا کرتی ہوں وہ کم لگتا ہے

تیری یاد میں میری آنکھیں جب جب چھلکا کرتی ہیں
دل کا بوجھ اُتر جاتا ہے، ہلکا ہر غم لگتا ہے

تاریکی میں نور کی خاطر جب میں بھٹکنے لگتی ہوں
ہر پل میرے ساتھ ہے تو ہی ایسا ہر دم لگتا ہے

برسے گا اک روز مجھی پر تیرا ابرِ رحمت جب
بدلے گا اُس روز خزاں کا میرا موسم لگتا ہے

آنکھوں میں اٹکی ہے میری جاں، لگتا ہے مجھ کو ایسا
تیرے ہی محبوب کے در پر نکلے گا دم، لگتا ہے

تسنیم فردوس، کولکاتا

میں ہوں تیرا، مری ادا تیری
ساری چیزیں ہیں اے خدا! تیری

کوئی کمتر ہے، کوئی برتر ہے
اس ضمن میں بھی ہے رضا تیری

ہر برہنہ سے جسم و جاں کے لیے
اے خدا! خوب ہے ردا تیری

حسن چلمن کے اختیار میں ہے
کیا بلا کی ہے یہ حیا تیری

یہ ثمرؔ مانگتا ہے جو کچھ بھی
یہ صدا بھی تو ہے صدا تیری

ثمر بلیاوی، گارولیا

جگنوؤں کو شب میں جلنے کی ادا، تیری عطا
پتھروں کی خامشی میں بھی نوا، تیری عطا

ساری مخلوقات میں تو نے کیا اشرف ہمیں
ہے تصرف میں جہاں، یہ مرتبہ تیری عطا

کوہ و صحرا، دشت و دریا محو ہیں تسبیح میں
ذرّہ ذرّہ عبدیت سے آشنا، تیری عطا

ہوں سراپا معصیت، باغِ جناں چاروں طرف
ہے نوازش کا عجب یہ سلسلہ، تیری عطا

اک تبسم سے کلی کرتی ہے روشن گلستاں
خوشبوؤں کا ہے یہاں روشن دیا، تیری عطا

دل صنم آباد میں ہو یا خیال آباد میں
بے طلب شہر نظر ملتا رہا، تیری عطا

جاوید ہمایوں، کولکاتا

اختیار اپنا دکھاتا ہے خدا
مارتا اور جلاتا ہے خدا

ہم گنہ گار ہیں پھر بھی ہم پر
رحمتیں اپنی لٹاتا ہے خدا

زندگانی کے گھنے جنگل میں
راستہ ہم کو دکھاتا ہے خدا

کوکھ میں کوہ کی رہتے ہیں جو
ان مکوڑوں کو کھلاتا ہے خدا

اپنی قدرت سے جہانِ کل کو
کس سلیقے سے چلاتا ہے خدا

خشک دھرتی کو نمو دیتا ہے
چرخ تاروں سے سجاتا ہے خدا

ڈر مٹا کر کڑے دن کا جاویدؔ
''حوصلہ دل کا بڑھاتا ہے خدا''

جاوید مجیدی، ہوڑہ

وحدت کی، محبت کی صدا اللہ ہی اللہ
ہر لب پہ بس نام ترا اللہ ہی اللہ

دن رات برستی ہوئی رحمت کی گھٹائیں
ہر موسمِ گل کی ہے نوا اللہ ہی اللہ

جس سمت نظر جائے فقط تیرے ہی جلوے
ہر ذرّہ ہے خورشید نما اللہ ہی اللہ

اُس ذات کی تفہیم نمازوں میں ہے مضمر
سجدوں کی زباں پر ہے صدا اللہ ہی اللہ

میں نے اسی دولت کو سمیٹا ہے جہاں میں
ہر لمحہ مرے ساتھ رہا اللہ ہی اللہ

حلیم حاذق، ہوڑہ

آیا جب گلستانِ عالم میں، موسمِ لا الہٰ الا اللہ
کشتِ ایماں کو کر گئی شاداب شبنمِ لا الہٰ الا اللہ

روحِ کن جب اُچھال دی تونے، جان مٹی میں ڈال دی تونے
پیکرِ خاک بن گیا یارب! محرمِ لا الہٰ الا اللہ

ریگ زارِ حیات تھا بے آب، تیری رحمت نے کر دیا شاداب
پھوٹا صحرائے زندگانی سے زمزمِ لا الہٰ الا اللہ

زخمِ وہم وگماں سے تھا دل چور، ہو چکا تھا جو صورتِ ناسور
بن گیا باعثِ شفا یابی مرہمِ لا الہٰ الا اللہ

جوش باطل کا پڑ گیا ٹھنڈا، سرنگوں کفر کا ہوا جھنڈا
بامِ وحدانیت پہ لہرایا پرچمِ لا الہٰ الا اللہ

بحر ہے اُس کے آگے اک قطرہ، کائنات اُس کے سامنے ذرّہ
ہے وسیع اتنے سارے عالم سے عالمِ لا الہٰ الا اللہ

کرکے اقرارِ کلمۂ توحید، کی جو صابرؔ نے کفر کی تردید
ہوا ثابت وسیلۂ بخشش مقدمِ لا الہٰ الا اللہ

حلیم صابرؔ، کولکاتا

دونوں عالم میں اونچی تری شان بھی
ہے عقیدہ مرا اور ایمان بھی

تیری رحمت کی کوئی نہیں انتہا
تو رحیم و کریم اور رحمان بھی

تیری رحمت کا سایہ ہے کس پر نہیں
تیری مخلوق انساں بھی حیوان بھی

ایک صحرا کو آباد بھی تو کرے
اور کر دے تو بستی کو ویران بھی

دونوں عالم میں ہے حکمرانی تری
تو ہی حاکم بھی ہے اور سلطان بھی

در گزر کر دے خورشیدؔ کی ہر خطا
تو ہے غفار بھی اور رحمان بھی

خورشید ادیب، آسنسول

بجا سفر میں رہ پر خطر اسی سے ملی
سفر کی دھوپ میں چھاؤں مگر اسی سے ملی

ہمارے نطق کو تاب نظر اسی سے ملی
رخِ حیات کو بھی آب زر اسی سے ملی

سر نیاز ہو خم اس کے آستاں پہ نہ کیوں
ہمیں تو نعمتِ دستِ ہنر اسی سے ملی

خلوص کی ہو صبا یا رفاقتوں کی گھٹا
تھی جو بھی چیز یہاں معتبر اسی سے ملی

عجب تصور جاناں کا یہ طلسم بھی ہے
''کھلی جو آنکھ تو پہلی نظر اسی سے ملی''

ہے گیسوؤں کی گھٹا، عارضوں کی بھی ہے دمک
ہمیں تو شام اسی سے، سحر اسی سے ملی

وہ چاہتا ہے مجھے دل سے شہنوازؔ مگر
ہوں اس کے تیر کا گھائل خبر اسی سے ملی

ڈاکٹر عاصم شہنواز شبلیؔ، کولکاتا

میری زباں میں طاقت حمد و ثنا کہاں
سجدے میں ہیں یہ ساری زمیں سارا آسماں

دجالیت کا رقص حراساں ہے ہر بشر
یہ کائنات چیخ رہی ہے کہ الاماں

ویراں دلوں کو تازہ گلستاں بنا سکے
خلقت کو اپنی ایسی عطا کر دے خوبیاں

قلب و نظر کو اتنی عطا کر دے وسعتیں
کھل جائیں سارے راز جو اب تک رہے نہاں

ہیں ساری کائنات میں تیرے ہی زمزمے
تو خالق زماں و مکاں، سب ہیں مدح خواں

ڈاکٹر زرینہ زریںؔ، کولکاتا

جسے چاہے اس کو جلال دے، جسے چاہے اس کو جمال دے
تری اک نگاہ کی بات ہے یا عروج دے یا زوال دے

میں کہ ذرہ ہائے حقیر ہوں ترے در کا ادنیٰ فقیر ہوں
ترے فضل سے ہے مری نموٗ جو حیات دے بے مثال دے

تجھے ڈھونڈتے ہوئے کتنے لوگ حد ہر گماں سے گذر گئے
میں بھٹک رہا ہوں اِدھر اُدھر، مجھے اس بھنور سے نکال دے

ترے وصف لکھوں تو کیا لکھوں، جو ثنا کروں تو میں کیا کروں
ہے قلم ترا، ترے لفظ ہیں، انھیں میرے نام سے ڈھال دے

مری ساعتیں ہوئیں خوش گماں، مری زندگی ہوئی سرگراں
یہ سایہ تیرے کرم کا ہے، ان میں اور تھوڑا کمال دے

میں تو ریت پر بنا نقش ہوں مجھے پانیوں میں نہ کر فنا
تری کائنات کو دیکھ لوں، مجھے آسماں میں اچھال دے

ڈاکٹر محمد زاہد، کولکاتا

تو ہے رب کائنات
ایک واحد تیری ذات

ان گنت تیرے کرم
ان گنت تیری صفات

اس قدر چاہوں تجھے
مل سکے مجھ کو نجات

حمد تیری لکھ سکے
دے وہی خامہ دوات

جس کی پوجا ہر طرف
تو ہی ایسی ایک ذات

ذرے ذرے میں ہے تو
تجھ میں ساری کائنات

تیرے قبضے میں نگارؔ
دے جہنم سے نجات

ڈاکٹر نگار سلطانہ، کولکاتا

یہ مانا اسے تو نے دیکھا نہیں ہے
وہ ہے رو برو پھر بھی پردہ نشیں ہے

نظر میں تو کر نور حق پہلے پیدا
یہ کیا پوچھتا ہے کہاں وہ نہیں ہے

اگر چشم آقا سے کچھ بھیک لے لے
تو پھر لن ترانی کا خدشہ نہیں ہے

وہ پردے سے باہر نہیں ہے تو کیا ہے
جہاں میں نے ڈھونڈا وہیں وہ مکیں ہے

اسے ڈھونڈو راہیؔ انا سے نکل کر
ارادہ ہے کامل تو محکم یقیں ہے

راہی غازی پوری، کولکاتا

مشکل میں دیا کس نے دنیا کو سہارا ہے
یارب ترے بندوں نے بس تجھ کو پکارا ہے

جو تیرے ہیں اوروں کی پرواہ نہیں کرتے
کیا کوئی بگاڑے گا جب تو نے سنوارا ہے

مولیٰ تری رحمت سے مایوس رہیں کیوں ہم
جب تیری بڑائی پر ایمان ہمارا ہے

تیرے سوا آنکھوں کو بھائے نہ کوئی جلوہ
تو روحِ تمنا ہے تو جان نظارا ہے

گر تیری نظر ہو تو پتھر بھی بنے ہیرا
گر تیرا کرم ہو تو ذرہ بھی ستارا ہے

کیسے نہ رضاؔ اس کو سینے سے لگا رکھے
تو نے جو ہدایت کو قرآن اتارا ہے

رضا جونپوری، رشڑا

چاروں طرف ہے تو ہی تو!
بن کے نور و رنگ و بو!

آب و آتش، خاک و باد!
ہر شے میں ہے تیری نمو!

تو ہی ہے کونین کا رب!
ہر اک کا معبود ہے تو!

سب پر تو مائل بہ کرم!
تیری صفت یہ تیری خو!

گرچہ نظر سے اوجھل ہے!
ساری جگہ موجود ہے تو!

کردے جبیں معمور خدا!
ساجدؔ کا مسجود ہے تو!

رفیق ساجدؔ کولکاتا

خدا کا ہے جلوہ ہر اک انس و جاں میں
شہادت یہ دیتی ہے ہر شے جہاں میں

ہے پھولوں میں خوشبو کہ ہے فیض اُس کا
اُسی کا ہے سب کچھ ہر اک گلستاں میں

پہاڑوں کو رفعت اُسی نے ہے بخشی
زمیں پر کھڑے ہیں کہ ہیں آسماں میں

سمندر کو گہرا بنایا اُسی نے
اُسی کی ہے اک شان موجِ رواں میں

ہوا دے رہی ہے اُسی کی گواہی
جو موجود ہے سانس میں اور جاں میں

اُسی نے منور کیے چاند سورج
اُسی نے ستارے جڑے آسماں میں

ہر اک شے کو جس نے بنایا ہے فانی
فنا ہونے والا نہیں وہ جہاں میں

رفیع احمدؔ کولکاتا

درد دل کی وہی دوا بھی ہے
وہ خودی میں چھپا خدا بھی ہے

رقص کرتا ہے ذرے ذرے میں
سارے رگ رگ سے رونما بھی ہے

ہے کہیں وہ خودی میں پوشیدہ
اور کہیں پر وہ دیوتا بھی ہے

روکتا ہے سرور سے سب کو
اور قلندر کا راستہ بھی ہے

آگ، پانی، ہوا میں ہے موجود
حسن کی مخلصی ادا بھی ہے

سنگ مرمر میں دیکھتا ہے کوئی
مور کے پر سے کب جدا بھی ہے

جس کو رب کہتے ہیں سبھی رونق
سب سے اعلیٰ وہی بڑا بھی ہے

رونق افروز، کولکاتا

ہم رات کی آنکھوں میں سحر دیکھ رہے ہیں
یارب! تری قدرت کا اثر دیکھ رہے ہیں

کیا شام ہے، کیسی ہے سحر دیکھ رہے ہیں
تو نے ہمیں بخشی ہے نظر، دیکھ رہے ہیں

یہ تیری مشیت کا ہے اک ادنیٰ کرشمہ
ہم بطنِ صدف میں جو گہر دیکھ رہے ہیں

نقاشِ ازل! عظمتِ فن تجھ پہ ہے نازاں
ہر شے پہ ترا عکسِ ہنر دیکھ رہے ہیں

کیا شانِ کریمی ہے کہ مہر و مہ و انجم
کچھ سوچ کے تقدیرِ بشر دیکھ رہے ہیں

ہے کون سا عالم یہ ترے لطف کا عالم
ہم خود کو بہ اندازِ دِگر دیکھ رہے ہیں

اے محرمِ اسرارِ نہاں! کچھ تو بتا دے
کیوں سنگ کے سینے میں شرر دیکھ رہے ہیں

رونق نعیم، رانی گنج

تو ہے جو دریاؤں میں رستہ کرے
تو ہے جو ہر آگ کو ٹھنڈا کرے

تو فنا کہہ دے تو دنیا ختم ہے
لفظِ کن سے اک جہاں پیدا کرے

تو اگر چاہے تو دریا سوکھ جائیں
تو ہی پیدا ریت میں چشمہ کرے

تو اگر چاہے تو بالا پست ہو
پست کو اک پل میں تو بالا کرے

ہر تحفظ ہیچ ہے، اک پل میں تو
منتشر دنیا کا شیرازہ کرے

ریحانہ نواب، کولکاتا

کاری گری ہے تیری ہر پھول، ہر کلی میں
جلوہ ہے تیرا ظاہر جگنو کی روشنی میں

دریا، پہاڑ، جھرنے تیرے ہیں سب نمونے
تیری ہے روح شامل ان سب کی دل کشی میں

پانی، ہوا سی نعمت حاصل ترے کرم سے
تیرا ہے فیض جاری ہر آن زندگی میں

کس کی مجال تجھ کو نظریں جما کے دیکھے
اُبھرے جلال تیرا سورج کی روشنی میں

حسنِ نظر اگر ہو، مہتاب ہو نظارہ
تیرا جمال چمکے چندا کی چاندنی میں

گرداب سے نکالے کشتی کو تو ہی مولا!
تیری مدد ہے شامل آفات کی گھڑی میں

دنیا کا کارخانہ چلتا ہے تیرے دم سے
تیری رضا ہے شامل ہر غم میں، ہر خوشی میں

زماں قاسمی، کولکاتا

مرے سینے میں سوزِ آرزو کس کی عنایت ہے
سبو میرا، مئے نابِ سبو کس کی عنایت ہے

جہانِ خاک زا میں ایک ذرّہ ہے وجود اپنا
مگر ذرّے میں ذوقِ جستجو کس کی عنایت ہے

گریباں کہکشاں کا تھام لیتی ہے نظر اپنی
جنون و شوق، شورِ ہائے ہو کس کی عنایت ہے

یہ مانا باغباں میں ہوں، یہ صحنِ گلستاں میرا
مگر پھولوں میں جوشِ رنگ و بو کس کی عنایت ہے

مصور ہوں، یہ میرے رنگ ہیں، یہ مو قلم میرا
مگر تصویر میں رنگِ نمو کس کی عنایت ہے

یہ مضراب و سرود و سازِ محفل سب مرے، لیکن
مغنی کا دلِ آہنگ جو کس کی عنایت ہے

یہ میری بندشِ الفاظ، یہ میری غزل سالکؔ
مرے شعروں میں پنہاں گفتگو کس کی عنایت ہے

سالک لکھنوی، کولکاتا

جب بشر کو آزماتا ہے خدا
مشکلیں اُس کی بڑھاتا ہے خدا

کس قدر بندوں سے اُس کو پیار ہے
کب ہمیں بھوکا سلاتا ہے خدا

ساتھ دیتا ہے خوشی میں آدمی
مشکلوں میں کام آتا ہے خدا

ظلمت باطل مٹانے کے لئے
طور پر جلوہ دکھاتا ہے خدا

بھیج کر جبریل کے ہاتھوں وحی
یوں نبیؐ کو خود پڑھاتا ہے خدا

پیڑ پودوں کو وہ دے کر پتیاں
حسن کی چادر اُڑھاتا ہے خدا

کوششیں کرتا تو ہے انساں سحرؔ
منزلیں لیکن دِلاتا ہے خدا

سحر مجیدی، ہوڑہ

تری ذات پاک ہے رب مرے، ترا فضل وجہِ کمال ہے
ترے نام پر جو ہو شیفتہ کہاں اُس کو خوفِ زوال ہے

مری فکر ہے ابھی ناتواں، کروں کس طرح میں ترا بیاں
کہ محیط روئے زمیں سے تا سرِ عرش تیرا جمال ہے

تو رحیم ہے، تو کریم ہے، تو جمیل ہے، تو عدیل ہے
ترے وصف کیسے بیاں کروں، کہاں میری اتنی مجال ہے

تو علیم ہے، تو فہیم ہے، تو ہی دل میں میرے مقیم ہے
ترے علم و فہم و قیام کا بھی احاطہ امرِ محال ہے

تو عظیم کتنا ہے رب مرے، سبھی عظمتیں ہیں تری عطا
کہیں تیرا رنگِ جمال ہے، کہیں تیرا رنگِ جلال ہے

میں ہوں بندہ تیرا ہی رب مرے، مجھے جیسے چاہے تو آزما
تیرا شکر ہے کہ قدم قدم ترا فضل شاملِ حال ہے

اُسے جب بھروسہ خدا پہ ہے، اُسے فکر کیوں ہو معاش کی
نہیں ہے وہ کاشفؔ زار کا جو دراز دستِ سوال ہے

سعید کاشف، کولکاتا

ساری دنیا کی ہر اک چیز خدا! تیری ہے
ذرّے ذرّے کے لبوں پر بھی ثنا تیری ہے

سارے گلشن کے گلوں میں بھی ہے تیری خوشبو
اور مہکی ہوئی ہر بادِ صبا تیری ہے

یہ ستارے بھی ترے نام سے رخشندہ ہیں
چاند سورج میں بھی اللہ! ضیا تیری ہے

یہ قلم تیرا ہے، لکھنے کی بھی قوت تیری
یہ زباں تیری ہے، تاثیرِ نوا تیری ہے

خشک میدان بھی تیرے ہیں، یہ کھیتی تیری
ان کو سیراب جو کرتی ہے گھٹا، تیری ہے

تیری رحمت کبھی مایوس نہیں کر سکتی
یہ جو زندہ ہے سعیدؔہ! یہ عطا تیری ہے

سعیدہ امان، کولکاتا

ساری دنیا کے لیے گلشن مقصود ہے تو
ہر شجر جھوم کے کہتا ہے کہ موجود ہے تو

یہ کریمی ہے تری، شانِ رحیمی ہے تری
سورہ رحمٰن سے ظاہر ہوا محمود ہے تو

تیرے ہی دم سے شب و روز کی یہ گردش ہے
ذرے ذرے سے صدا آتی ہے موجود ہے تو

تو ہی ستار ہے، غفار ہے، رزاق بھی ہے
سر جھکاتے ہیں، ترے سامنے معبود ہے تو

لاکھ سرمارے کوئی حد ہے کہاں کون لکھے
کیوں نہ ہر لمحہ سلیمؔ اب کہے موجود ہے تو

سلیم مٹیابرجی، کولکاتا

یہ مشتِ خاک سرِ راہ کس شمار میں ہے
وجودِ ارض و سما تیرے اختیار میں ہے

یہ کون ڈھونڈ رہا ہے رہِ تشکک میں
تری شبیہ تو ہر چشمِ اعتبار میں ہے

تو ایک رنگ میں ملتا کہاں ہے گلشن میں
کبھی خزاں میں نمایاں، کبھی بہار میں ہے

کبھی تو گونج رہا ہے ہر اک اذان میں تو
کبھی خموش نمازی کی ہر قطار میں ہے

کہیں سحر متبسم ہے تیرے جلوے سے
کہیں یہ تیرہ شبی تیرے انتظار میں ہے

ترے وجود سے قائم ہے کائنات میں نظم
ترے ہی خوف سے ہر موج انتشار میں ہے

سلیمؔ تیری ہی چوکھٹ پہ سجدہ ریز ہوا
کہ چین دل کا اسی معتبر دیار میں ہے

سلیم سرفراز، آسنسول

نفس کی ڈور اگر ہے قضا کے ہاتھوں میں
ہے بند زیست کی کنجی خدا کے ہاتھوں میں

لرز رہا ہے جو تنکا ہوا کے ہاتھوں میں
لکھا ہے اُس کا مقدر قضا کے ہاتھوں میں

رہیں گی اور ہواؤں کے سامنے کب تک
یہ ٹمٹاتی لویں اب دِیا کے ہاتھوں میں

نہ ہاتھ میں نہ جبیں پر کوئی لکیر اپنی
مری تمام لکیریں خدا کے ہاتھوں میں

ہزاروں پھول سے بہتر ہے وہ کرم اُس کا
دیا ہے جو مجھے کانٹے چبھا کے ہاتھوں میں

فلک سے مجھ کو زمیں پر کشاں کشاں لایا
یہ سوکھی روٹی کے ٹکڑے دکھا کے ہاتھوں میں

نہیں کچھ اور اسدؔ! اپنی جیب و داماں میں
سوائے نقدِ دعا کے، ثنا کے ہاتھوں میں

سمیع اللہ اسدؔ کولکاتا

گل و غنچہ میں، شاخساروں میں تو ہے
گلستاں کی رنگیں بہاروں میں تو ہے

ہو برفیلی وادی یا پھولوں کا میلہ
حسیں اور دل کش نظاروں میں تو ہے

ترے بحر و بر ہیں، ترے دشت و صحرا
کہ جھرنوں میں تو، کوہساروں میں تو ہے

تو ہے کروٹوں میں سلگتی زمیں کی
پھر اپنے کرم کی پھواروں میں تو ہے

اُفق کی یہ سرخی، یہ نوری نظارہ
ہے سورج میں تو، چاند تاروں میں تو ہے

پدر کی یہ شفقت، یہ ممتا کا آنچل
محبت بھرے ان چناروں میں تو ہے

ترا شکر ہے سعدیہؔ کے لبوں پر
کہ اُس کے حسیں فکر پاروں میں تو ہے

سیدہ سعدیہ فتح، کولکاتا

حجابِ ناز میں تو کب چھپا ہے
زمانہ تجھ کو ہر دم دیکھتا ہے

فلک سے عرش تک اے میرے مولا!
ترے فیض و کرم کا سلسلہ ہے

تجھی نے دونوں عالم کو بنایا
تو ہی تو دو جہاں کا آسرا ہے

نگاہیں تیری ہیں شاہ و گدا پر
تو سب کو اک نظر سے دیکھتا ہے

خدا تیرے سوا کوئی نہیں ہے
اکیلا تو دو عالم کا خدا ہے

تری چاہت نہیں جس کو خدایا!
وہ تیری ذات سے نا آشنا ہے

محیطؔ اب کیا کرے تعریف تیری
تری مدحت زمانہ کر رہا ہے

شاہجہاں محیطؔ کولکاتا

کرے جو دشت کو بھی لالہ زار‘ تو ہی ہے
تمام غم کا مرے غم گسار تو ہی ہے

ترے کرم سے ہی ہونٹوں پہ مسکراہٹ ہے
دل و جگر کو ہے جس سے قرار‘ تو ہی ہے

کسی کی رنجش و سازش سے میں نہیں ڈرتا
مجھے یقین ہے با اختیار تو ہی ہے

ترے ہی سامنے آتا ہوں مدعا لے کر
اگرچہ دل کا مرے راز دار تو ہی ہے

تری عطا سے ہی شاداب سبزہ زار بھی ہے
ہے جس کے دم سے گلوں پر نکھار‘ تو ہی ہے

کسی سے رحم کی امید کیوں رکھے شاہدؔ
ہیں جس کے فضل و کرم بے کنار‘ تو ہی ہے

شاہد نورؔ کولکاتا

زمین و فلک کو بنایا خدا نے
جہاں میں بشر کو بسایا خدا نے

چمن کے ثمر میں، فلک کے قمر میں
ہر اک شے میں جلوہ دکھایا خدا نے

ضلالت میں بے حد ہم اُلجھے ہوئے تھے
ہمیں سیدھا رستہ دِکھایا خدا نے

ہمارے دلوں سے نقوشِ غلط کو
مٹا کر مصفا بنایا خدا نے

شگوفہؔ کبھی مہ لقاؔ کی بدولت
دلِ شاہدہؔ کو سجایا خدا نے

شاہدہ بانو شمسی، ہوڑہ

کیا کہوں میں کہ کیا دیا تو نے
عشق دل میں جگا دیا تو نے

ہر طرف بس نظر تو آتا ہے
جلوہ کیسا دِکھا دیا تو نے

بحر و بر ہو کہ چاند، سورج ہو
لفظِ کن سے بنا دیا تو نے

دے دیا اتنا علم آدمؑ کو
سر ملک کا جھکا دیا تو نے

اس سے معمور ہے دلِ انساں
عشق کا جو مزا دیا تو نے

شکل عیسیٰؑ کی دے کے قاتل کو
وار سے یوں بچا دیا تو نے

مانگتی اور کیا صدفؔ تجھ سے
اس کو حد سے سوا دیا تو نے

شاہدہ صدف، کولکاتا

کیا ہے جس نے جہاں کو پیدا' وہی خدا ہے' وہی خدا ہے
جو سب سے برتر' جو سب سے بالا' وہی خدا ہے' وہی خدا ہے

زمیں کے ذرّے' فلک کے تارے' حسین جلوے' حسیں نظارے
سبھوں میں جس کا ظہور پایا' وہی خدا ہے' وہی خدا ہے

جدھر سے دیکھوں اُسی کے جلوے' وہی عیاں بھی' وہی نہاں بھی
ہے جس کا ہر شے میں نور پھیلا' وہی خدا ہے' وہی خدا ہے

امیر ہو یا فقیر کوئی اُسی کے در کے ہیں سب بھکاری
جو پوری حاجت ہے کرنے والا' وہی خدا ہے' وہی خدا ہے

اُسی کی نکہت گل و ثمر میں' وہی شجر میں' وہی حجر میں
جو بحر و بر میں بھی ہے ہویدا' وہی خدا ہے' وہی خدا ہے

جو پوری کرتا ہے رحمتوں سے تمام خلقت کی خواہشوں کو
بغیر مانگے بھی جو ہے دیتا' وہی خدا ہے' وہی خدا ہے

چراغِ ایماں جلا کے تم بھی بساؤ شبیرؔ اُس کو دل میں
ہے جس کے دم سے سدا اُجالا' وہی خدا ہے' وہی خدا ہے

شبیر ابروی' کولکاتا

زمیں سے آسمانوں تک حکومت تیری ہے ربی
جدھر جائیں' جہاں دیکھیں وہ قدرت تیری ہے ربی

کرم سے تیرے زندہ ہیں یہ جن و انس اور حیواں
ہے جو بھی ان میں خوبی وہ عنایت تیری ہے ربی

ہمالہ کی بلندی کیا' فلک کی بھی ہے رفعت کیا
گمان و وہم سے بھی آگے عظمت تیری ہے ربی

ترے آگے تو فرعونوں کی طاقت بھی نہ کام آئی
عجب قدرت ہے تیری اور طاقت تیری ہے ربی

فرشتے کیا' پیمبر بھی ہیں محتاجِ کرم تیرے
عجب جاہ و جلال و شان و شوکت تیری ہے ربی

یہ سیم و زر' یہ تخت و تاج' یہ قصرِ سلیمانی
جسے چاہے عطا کردے یہ دولت تیری ہے ربی

سرِ تسلیم خم کرکے یہ کہتا ہے ترا شایاںؔ
مری جو بھی عبادت ہے عنایت تیری ہے ربی

شفیق الدین شایاں' کولکاتا

تری ذات سب سے الگ ہے، جدا ہے
تو ہی ابتدا ہے، تو ہی انتہا ہے

رگ و پے میں جاری یہ حمد و ثنا ہے
میں بندہ ہوں تیرا، تو میرا خدا ہے

نگاہوں میں تیری سبھی ایک سے ہیں
کرم سب پہ تیرا، تری ہی عطا ہے

چھپاتا ہے تو ہی معائب ہمارے
تجھے غیب کی سب خبر ہے، پتا ہے

کوئی لاکھ دنیا میں سکہ جمائے
مقدر میں ہر اک کے لکھا فنا ہے

کسی کی بھی چلتی نہیں اپنی مرضی
وہی ہوتا ہے جس میں تیری رضا ہے

نبیؐ آخری بھیج کر تونے مولا،
شکیلِ حزیں پر بھی احساں کیا ہے

شکیل احمد شکیل، برن پور

تو نے ہی پیدا کیا ہے یہ جہانِ رنگ و بو
تیرے ہی جلوے نظر آتے ہیں مجھ کو چار سو

ذکر تیرا جب بھی یارب! بزمِ گیتی میں چھڑا
یوں ہوا محسوس جیسے سامنے ہے سب کے تو

عزت و ذلت کا مالک ہے تو ہی پروردگار
جس کو چاہے کردے رسوا، چاہے کردے سرخرو

تیرے ہی تابع زمین و آسماں کے ہیں نظام
گردشِ شام و سحر کو زندگی دیتا ہے تو

تیری رحمت مہرباں ہوتی ہے جس کی پیاس پر
بادۂ عرفاں سے بھر دیتا ہے تو اُس کا سبو

میری سانسوں پر ترا احساں ہے اے ربِ کریم!
میرے جسم و جاں میں بہتا ہے ترے دم سے لہو

وصف تیرا کیا بیاں کرتا شکیلِؔ ناتواں
بندۂ ناچیز کی رکھ لی ہے تونے آبرو

شکیل گونڈوی، کولکاتا

تو خدا، ہے ربِ کریم ہے، تری شان جل جلا لہٗ
تو شفیق ہے، تو کریم ہے، تری شان جل جلا لہٗ

ترا نام ربِ غفور ہے، تو ازل سے مولا! ہے تا ابد
تو جدید ہے، تو قدیم ہے، تری شان جل جلا لہٗ

ترے دم سے لیل ونہار ہے، ترے دم سے فصلِ بہار ہے
ترے دم سے بادِ نسیم ہے، تری شان جل جلا لہٗ

تری ہے زمیں، ترا آسماں، ترے ہیں نجوم یہ کہکشاں
کہ ترا ہی عرشِ عظیم ہے، تری شان جل جلا لہ

جسے چاہے مار دے تو خدا، ترے ہاتھ میں ہے فنا بقا
تو طبیب ہے، تو حکیم ہے، تری شان جل جلا لہٗ

یہ شکیلؔ تیرا تھا بے خرد، اسے تو نے عقل کی دی سند
تو عقیل ہے، تو فہیم ہے، تری شان جل جلا لہٗ

شکیل نبی نگری، ہوڑہ

رنج ہو یا شادمانی، اے خدا، تیری عطا
موت ہو یا زندگانی، اے خدا، تیری عطا

تو نے ہی پھولوں پہ شبنم کے سجائے ہیں گہر
اور کلیوں کی جوانی، اے خدا، تیری عطا

صحرا کے ہر ذرّے میں تو نے ہی ڈالی ہے رمق
سارے دریا کی روانی، اے خدا، تیری عطا

چاندنی کی نرم ٹھنڈک اور سورج کی تپش
تاروں کی یہ ضوفشانی، اے خدا، تیری عطا

آسماں کو بن ستونوں کے کھڑا تو نے کیا
سبزے کی چادر سہانی، اے خدا، تیری عطا

تیری قدرت کا کرشمہ بچوں کی میٹھی ہنسی
آنکھوں کا نمکین پانی اے خدا، تیری عطا

تجھ سے ہی قائم ہے اب تک اس قلم کی آبرو
اور غزلؔ کی کامرانی، اے خدا، تیری عطا

شگفتہ یاسمین غزل، کولکاتا

لیتے ہی نام رب کا ہوئی تیرگی تمام
ہر سمت جگمگانے لگی روشنی تمام

دنیا کی بادشاہتِ عظمیٰ کا ذکر کیا
ربِ قدیر تجھ پہ ہر اک خسروی تمام

جن و بشر، ملائکہ، غلمان و حور کیا
ان سب کی تیرے آگے خدا! برتری تمام

پھر بھی نہ ہو سکا تری رحمت کا حق ادا
حالاں کہ بندگی میں ہوئی زندگی تمام

تاروں کی، کہکشاں کی کہ خورشید و ماہ کی
نورِ خدا کے آگے ہر اک روشنی تمام

اللہ! صرف تیری ہی ہستی ہے لازوال
ہر چیز کائنات کی ہو جائے گی تمام

کرتا عطا نہ تجھ کو خدا گر شعور و عقل
ہو جاتی پھر تو شمسؔ تری شاعری تمام

شمسؔ افتخاری، ہوڑہ

صبح صبح روشن ہے، رات رات روشن ہے
اے خدا! دو عالم میں تیری ذات روشن ہے

ڈال ڈال روشن ہے، پات پات روشن ہے
تیرے دم سے پھولوں کی کائنات روشن ہے

تو نے کس سیاہی سے لکھ دیا ہے قرآں کو
حرف حرف روشن ہے، بات بات روشن ہے

صبح کے اُجالوں میں نور ہے ترا شامل
اور شب کی آنکھوں میں اک حیات روشن ہے

قدسیانِ عرشی بھی چومتے ہیں آ آ کر
جب سے اے شمیمؔ انجم! لب پہ نعت روشن ہے

شمیم انجم وارثی، گارولیہ

مجھے بیم و رجا میں ڈال کر مسرور ہوتا ہے
وہی ہے قادر مطلق تو کیوں مغرور ہوتا ہے

مطاف جاں میں اس کا نام لے روز کی گردش
مری سانسوں میں بندھ کر وہ یہیں محصور ہوتا ہے

وہ ہر مسدود رستے کو کشادہ کر گیا مجھ پر
مری پرواز میں وہ سر بہ سر مستور ہوتا ہے

وہ قرب و بعد کے قضیے سے رکھتا ہے الگ خود کو
لہو کی گردشوں میں پھر بھی سیل نور ہوتا ہے

طلب کرتے رہو چاہے زمین و آسماں اس سے
وہ دیتا ہے وہی جو خود اسے منظور ہوتا ہے

شہناز نبی، کولکاتا

سب پہ اللہ کی ہے نظر دیکھئے
اُس کے بندے ہیں جن و بشر دیکھئے

یہ بھی اللہ کا ہم پہ احسان ہے
ہم جو قائم ہیں ایمان پر دیکھئے

لب پہ ہے کچھ چھپا، دل میں کچھ اور ہے
لیکن اُس کو ہے سب کی خبر دیکھئے

اُس کو پل بھر نہ ہرگز بھلائے کوئی
سب پہ رکھتا ہے یکساں نظر دیکھئے

اپنے رب کے میں ننانوے نام کا
ذکر کرتی ہوں شام و سحر دیکھئے

کب سے شہنورؔ کو حج کا ارمان ہے
کب بلائے گا وہ اپنے گھر دیکھئے

شہنور حسین شبنم، کولکاتا

ترے در پہ ہم آئے ہیں، خداوندا خداوندا
تجھی سے لو لگائے ہیں، خداوندا خداوندا

نہیں کوئی ترا ثانی، تو ہے قادر کہ دنیا میں
تری رحمت کے سائے ہیں، خداوندا خداوندا

زمین و آسماں تیرے، طیورِ گلستاں تیرے
سبھی تونے بنائے ہیں، خداوندا خداوندا

ہراک دل میں مکیں تو ہے، ہراک دل کا یقیں تو ہے
یہ ہم بھی آزمائے ہیں، خداوندا خداوندا

تو ہی ظاہر، تو ہی باطن، تو ہی اوّل، تو ہی آخر
کہاں ہم یہ بھلائے ہیں، خداوندا خداوندا

ہمیشہ گونج تیری ہے اذانوں کی صداؤں میں
بھلے رستے دکھائے ہیں، خداوندا خداوندا

حناؔ کی جان بھی تیری، یہ آن و بان بھی تیری
سبھی تجھ پر لٹائے ہیں، خداوندا خداوندا

صابرہ خاتون حنا، ہگلی

رنگ و خوشبو میں ہم نے کیا دیکھا
ہر جگہ اُس کو برملا دیکھا

درد میں، آہ میں بسا دیکھا
گیت کے بول میں گھلا دیکھا

ذات اُس کی ہمیں نظر آئی
نقشِ کہنہ میں جب نیا دیکھا

ظلم کی آندھیاں چلیں جب بھی
دل نے اُس کا ہی آسرا دیکھا

عیش و عشرت میں بھی، طرب میں بھی
حسن کا اُس کے سلسلہ دیکھا

عکس اُس کا بہت ہی واضح تھا
پیڑ میں آم جب لگا دیکھا

پھول جنگل میں بھی صدفؔ ہم نے
اُس کے دم سے کھلا کھلا دیکھا

صدف جعفری، کولکاتا

ہر اک شے میں ترا جلوہ، ہر اک شے میں عیاں تو ہے
ترا انکار ناممکن، یقینِ بے گماں تو ہے

سمندر، پیڑ پودے، چاند، سورج، کہکشاں، شبنم
ہر اک شے کا ہے خالق، مالکِ ہر این و آں تو ہے

ہے تیرے حکم سے یارب! نظامِ کُل جہاں قائم
ترے زیرِ نگیں سب، حاکمِ کون و مکاں تو ہے

لگا سکتا نہیں کوئی تری قدرت کا اندازہ
جو صحراؤں کو بھی پل میں بنا دے گلستاں، تو ہے

رسائی ذہنِ انساں کی ہو تجھ تک، یہ نہیں ممکن
تو وہ رازِ نہاں ہے خود ہی جس کا رازداں تو ہے

ہماری حیثیت ذرّے سے بھی بڑھ کر نہیں یارب!
جو قطرے کو بنا دے پل میں بحرِ بے کراں تو ہے

کہے کس سے ضمیرؔ بے نوا حالِ دلِ محزوں
خبر ہر پل کی تجھ کو، واقفِ رازِ نہاں تو ہے

ضمیر یوسف، ہوڑہ

تو فضا میں ہے، تو چمن میں ہے، تری شان کیسے بیاں کروں
تو زمیں پہ ہے، تو گگن میں ہے، تری شان کیسے بیاں کروں

مری شاعری تری دین ہے، ترے حکم سے یہ قلم چلے
تو قلم میں ہے، تو سخن میں ہے، تری شان کیسے بیاں کروں

تری دی ہوئی ہیں یہ نعمتیں، ہو خوشی کہ رنج قبول ہے
تو خوشی میں ہے، تو چبھن میں ہے، تری شان کیسے بیاں کروں

تری حمد کیوں نہ بیاں کروں کہ زباں پہ کیوں نہ ثنا رہے
تو ہی روح میں، تو بدن میں ہے، تری شان کیسے بیاں کروں

ترے بن نہ مجھ کو قرار ہے، یہ ضیاؔ تجھی پہ نثار ہے
تو ہی من میں ہے، تو دہن میں ہے، تری شان کیسے بیاں کروں

ضیاالرحمٰن ضیا، آسنسول

درد کا درماں، چین کا عنواں اک تو ہی
سب کے خانۂ دل کا مہماں اک تو ہی

تیری ذاتِ لافانی کا کیا کہنا
ذرّے ذرّے میں ہے نمایاں اک تو ہی

باغ بھی تیرے، گل بھی تیرے ہیں مالک!
رکھتا ہے شاداب گلستاں اک تو ہی

غم کی کوئی گنجائش ہو تو کیسے ہو
جب رکھتا ہے دل کو شاداں اک تو ہی

کرنا ہے تا عمر خدایا! مجھ کو طواف
میں پروانہ، شمعِ فروزاں اک تو ہی

بخشی ہے سورج کو تونے تابانی
چاند کو بھی کرتا ہے درخشاں اک تو ہی

ہوتا ہے تاریک دلِ طالبؔ جب بھی
کر دیتا ہے اس میں چراغاں اک تو ہی

طالبؔ صدیقی، کولکاتا

کچھ بھی نہیں جہاں میں ہمارا ہے اے خدا
بس ہر طرف ترا ہی نظارا ہے اے خدا

تیرا ہی آسرا ہے دلِ ناصبور کو
تو ہی شکستہ جاں کا سہارا ہے اے خدا

روشن زمیں ہے، تا بہ فلک جس سے کائنات
تو روشنی کا ایسا منارا ہے اے خدا

موجِ حوادثات نے گھیرا تو ہے، مگر
کشتی ہے تیری ، تیرا کنارا ہے اے خدا

تو ہی غموں کی دھوپ میں سایہ فگن رہا
دل دار تو ہے، تو ہی دل آرا ہے اے خدا

عصیاں کا بار سر پہ ہمارے تو ہے، مگر
بندوں کو تیرے تیرا سہارا ہے اے خدا

ہو سر بہ خم ظہیرؔ نہ کیوں تیرے سامنے
تونے زمیں کو ایسا نکھارا ہے اے خدا

ظہیرؔ سکندرپوری، رشڑا

بس اتنی گذارش ہے مولا آسان مری مشکل کردے
سرخم ہے مرا کعبے کی طرف تو سوئے مدینہ دل کردے

گر تیرا اشارہ ہوجائے طوفاں میں کنارا ہوجائے
ساحل کی طرف کشتی نہ سہی، کشتی کی طرف ساحل کردے

تو دونوں جہاں کا خالق ہے تو ارض فلک کا مالک ہے
اب مجھ کو چراغ طاق بنایا تاروں میں شامل کردے

ہم جب سے بٹے ہیں فرقوں میں ہم قتل ہوئے ہیں قسطوں میں
تو جوڑ دے بکھرے بازو کو یا باطل کو باطل کردے

عرفاںؔ ہو روشن نام ترا تو نوک قلم سے پھول کھلا
لکھ نعت نبی اور شعروں میں مضمون نیا شامل کردے

عرفان بنارسی، ہوڑہ

نہیں ہے تیرے سوا ربِ ذوالجلال کوئی
میں اس سے بڑھ کے کروں پیش کیا مثال کوئی

ہر ایک شے کا مقدر زوال ہے، لیکن
ترے وجود کو ہرگز نہیں زوال کوئی

ترے ہی حسن کا پرتو ہے کائنات کا حسن
ترے کمال سے بڑھ کر نہیں کمال کوئی

میں اپنی کم نظری میں تجھے کہاں دیکھوں
ترے جمال سے بڑھ کر نہیں جمال کوئی

جو لفظ تیری ثنا کے لیے مکمل ہو
ملا نہ لفظ مجھے تیرے حسبِ حال کوئی

تو لا شریک ہے، تیرا کوئی شریک نہیں
تو بے مثال ہے، تیری نہیں مثال کوئی

خدا کا نام ہی عرشیؔ! اک اسمِ اعظم ہے
جہاں میں بڑھ کے نہیں اس سے نیک فال کوئی

عروسہ عرشی، کولکاتا

چاند سورج کو تو نے بنایا خدا‘ تیری قدرت زمانے میں مشہور ہے
نور سے اپنے روشن اُنہیں کر دیا‘ تیری قدرت زمانے میں مشہور ہے

تو نے ذرّے کو اوجِ ثریا دیا‘ ایک پل میں فقیروں کو سلطاں کیا
تیری تعریف کیا میں کروں کبریا! تیری قدرت زمانے میں مشہور ہے

ذکر تیرا ہے توریت و انجیل میں‘ اور گیتا میں بھی ہے کہانی تری
اور واصف ہے قرآن مولا! ترا‘ تیری قدرت زمانے میں مشہور ہے

تیری طاقت کی کوئی نہیں انتہا‘ تو نے فرعون و نمرود و شداد کو
اک اشارے میں بالکل فنا کر دیا‘ تیری قدرت زمانے میں مشہور ہے

دشت وصحرا میں بھی تو ہے جلوہ نما‘ تو ہی موجود ہر شے میں میرے خدا‘
ہر طرف سے یہی آ رہی ہے صدا‘ تیری قدرت زمانے میں مشہور ہے

میں ہو عشرتؔ ترا بندۂ بے نوا‘ کس زباں سے کروں شکر تیرا ادا
مجھ کو بھی شاعرِ خوش نوا کر دیا‘ تیری قدرت زمانے میں مشہور ہے

عشرت نبی نگری‘ ہوڑہ

مولائے کل ہے مالک ارض و سما ہے تو
یکتا ہے لاشریک ہے سب کا خدا ہے تو

میں بندۂ حقیر ہوں جنس فنا نصیب
اک لفظ لا یزال ہے حرف بقا ہے تو

تیرے سوا ہے کون جو ہستی سنوار دے
داتا تو ہی کریم ہے مشکل کشا ہے تو

تیری ہی دسترس میں نشیب و فراز ہیں
جو چاہے کر نصیب کہ شانِ عطا ہے تو

ہر شئے سے تیری قدرت و حکمت ہے آشکار
ہر شئے میں نورِ حق لیے جلوہ نما ہے تو

تیری رضا ہی اصل میں ہے مقصد حیات
بندہ نواز لائق حمد ثنا ہے تو

عصیاں کا اپنے سر لیے بار عظیمؔ میں
بابِ پناہ بحرِ کرم کبریا ہے تو

عظیم الدین عظیمؔ آسنسول

آسماں تیرا، زمیں تیری، ہے تیری کائنات
حکمراں ہے تو، ہے تیری حکمرانی شش جہات

کوئی زیبائی میں ہم سر ہو نہیں سکتا ترا
زیب دیتے ہیں تجھی کو حسن کے سارے صفات

نور ہے تیرا ہی، جس سے تیرگی کا سینہ چاک
تجھ ہی سے نشو و نما پاتی ہے دنیا میں حیات

مشتقوں کے درمیاں بس ایک ہی مصدر ہے تو
سب عَرَض ہیں اور جوہر ہے فقط اک تیری ذات

منکشف ہیں تجھ پہ اسرار و رموزِ جزو و کل
آئینہ ہیں تیری نظروں میں جہاں کے سب نکات

برتر و بالا ہے تو وہم و گماں سے بھی مرے
ہے کسے جرأت کہ لائے بھی زباں پر تیری بات

علقمہ شبلیؔ کولکاتا

جو شخص ادنیٰ ہے اُس کو اعلیٰ بنانے والا وہی خدا
کہ اپنی قدرت کا کارخانہ چلانے والا وہی خدا

نظام خود ہی سنبھالتا ہے وہ اپنی دنیا کے خشک و تر کا
تمام خلقت کو آبِ رحمت پلانے والا وہی خدا

زمیں پہ ہو یا زمیں کے اندر، خیال رکھتا ہے سب کا یکساں
ہر ایک کو دے کے آب و دانہ بچانے والا وہی خدا

رحیم ہے وہ، قدیر ہے وہ، میں اُس کے احساں کو کیسے بھولوں
کہ میرے تاریک گھر کو روشن بنانے والا وہی خدا

ہے جس کے قبضے میں جان میری، اُسی کو سجدہ سدا کروں گا
کہ کوہِ جودی پہ نوحؑ کو بھی بچانے والا وہی خدا

سبھی تو حیرت زدہ ہیں، لیکن ہے راز اس میں ضرور پنہاں
غبی کو بھی مسندِ وزارت دلانے والا وہی خدا

کرے نہ جبر و غرور کوئی علیم اتنا جہاں میں ورنہ
اُسے بھی قہار بن کے اک دن مٹانے والا وہی خدا

علیم الدین علیمؔ کولکاتا

ہر طرف جلوہ نمائی ہے خدایا تیری
ذرّے ذرّے میں خدائی ہے خدایا تیری

تو جو میرا ہے تو یہ لوح و قلم میرے ہیں
ورنہ ہر شے ہی پرائی ہے خدایا تیری

چاند تارے ہوں فلک ہو کہ جہانِ گل ہو
سب میں قدرت نظر آئی ہے خدایا تیری

وہ شجر ہوں کہ حجر ہوں کہ چرند اور پرند
سب کے ہونٹوں پہ بڑائی ہے خدایا تیری

جو ہیں محرومِ بصارت تو اُنہیں بھی جگ میں
ہر قدم راہ نمائی ہے خدایا تیری

کیوں نہ قسمت پہ بھلا ناز کرے گا راقم
حاصل اس کو بھی گدائی ہے خدایا تیری

عمران راقمؔ، کولکاتا

خدائے لم یزل تو ہے، شبیہِ جاوداں تو ہے
قرینِ قلب و جاں تو ہے، مکینِ لا مکاں تو ہے

تری قدرت کے جلوے چاند تاروں میں، نظاروں میں
نظامِ دو جہاں تیرا، سبھی کا حکمراں تو ہے

نگاہوں میں سمائے کس طرح سے تابِ نظارہ
جدھر دیکھوں ترے جلوے، جہاں دیکھوں وہاں تو ہے

گلوں میں ہے مہک تیری، ہواؤں میں کھنک تیری
چمن زارِ حقیقت کی بہارِ بے خزاں تو ہے

تجھے جانا، تجھے مانا، ہمیں کیا غیر سے مطلب
کہا قالو بلا ہم نے الست کی زباں تو ہے

تو ہی اوّل، تو ہی آخر، تو ہی باقی، تو لافانی
نہیں ثانی کوئی تیرا، خدایا! بے گماں تو ہے

ثنا تیری لکھے عنبؔر یہ ممکن ہی نہیں یارب!
تری توصیف بس یہ ہے ہر اک شے میں نہاں تو ہے

عنبر صدیقی، کولکاتا

کسے کسے نہ خدا نے پناہ میں رکھا
فلک سے زیرِ زمیں تک نگاہ میں رکھا

ہماری نفس پرستی کے امتحاں کے لیے
عجب سرور خدا نے گناہ میں رکھا

نہ جانے کون سی تھی مصلحت کہ آدمؑ نے
قدم جو رکھا جہانِ تباہ میں رکھا

گلوں کو پہلے تو بخشی متاعِ حسن وجمال
پھر اُس نے خار کو اُن کی سپاہ میں رکھا

کبھی جو اُس نے رلایا ہمیں شبِ ہجراں
الگ ہی کیف ہماری کراہ میں رکھا

اُسے یہاں بھی، وہاں بھی ہے سرخرو ہونا
وہ جس نے اپنا قدم اُس کی راہ میں رکھا

جواب حشر کے دن کیا خدا کو دوگے فراغؔ
کہ خود کو محو تو کارِ سیاہ میں رکھا

فراغ روہوی، کولکاتا

اُسی کے خامۂ قدرت سے یہ جہاں تصویر
وہی عناصر و انفس کا کاتبِ تقدیر

وہ بے نیاز و صمد مالکِ علیم و خبیر
تمام ثابت و سیار اُس کے ہیں نخچیر

وہ کردے جاہلِ مطلق کو صاحبِ تحریر
وہ بے نوا کو بناتا ہے لائقِ تقریر

وہ چاہے سر پہ جسے سایۂ ہما کردے
غریقِ بحرِ تحیر ہوں بادشاہ و فقیر

عطائے رب پہ ہے خامہ تہہِ دہن ششدر
کہ اُس کے آگے ہے سجدے میں چرخ کی توقیر

خرد سمجھ نہیں پائی عطا مشیت کی
پرے ہے عقل سے منطق ذرا نظامِ قدیر

وہ حرفِ کن سے بناتا ہے خاک وآتش وآب
وہ چوبِ خشک کو فرحتؔ عطا کرے انجیر

فرحت مشتاق، کولکاتا

سچ ہے یارب! کہ لامکاں تو ہے
پھر بھی ہر دل میں میہماں تو ہے

شان تیری ہے ارفع و اعلیٰ
مالکِ عرشِ آسماں تو ہے

لائقِ حمد ہے تری ہستی
رب ہے، مسجودِ انس و جاں تو ہے

ہر جگہ ہے ترا گزر یارب!
بوئے گل، حسنِ گلستان تو ہے

ڈالی ڈالی میں تیری شان نہاں
پھول پتے میں بھی نہاں تو ہے

تیرے قبضے میں ہے زمین و فلک
حکمرانوں کا حکمراں تو ہے

ہے فریدؔہ پہ بھی کرم تیرا
ساری خلقت سے مہرباں تو ہے

فریدہ حشمت، کولکاتا

کب ہوش مجھے آیا، تری شانِ کریمی
دنیا سے میں بھر پایا، تری شانِ کریمی

اس دھوپ نے کی مجھ پہ بہت خوب نوازش
اب میں ہوں، مرا سایا، تری شانِ کریمی

دریا کے تلاطم پہ جو اک بار نظر کی
ہر موج نے تڑپایا، تری شانِ کریمی

اک بار قدم میرے جو افلاک پہ پہنچے
میں چاند اُٹھا لایا، تری شانِ کریمی

بے نام سے ذرّے کے سوا کچھ بھی نہیں تھا
تو نے مجھے چمکایا، تری شانِ کریمی

اک آگ تو پتھر میں ہمیشہ سے بسی تھی
تو نے مجھے سلگایا، تری شانِ کریمی

آلامِ زمانہ کے عوض ایک تبسم
یہ ہے مرا سرمایا، تری شانِ کریمی

ف۔س۔اعجاز، کولکاتا

کیا حمد ہو بیان کسی سے، محال ہے
یکتا ہے بے مثال ہے، وہ لازوال ہے

سنتا ہے دیکھتا ہے، علیم و خبیر ہے
تو خوب جانتا ہے جو میرا سوال ہے

دوزخ میں خواہ بھیج کہ جنت تو کر عطا
محبوب کی رضا پہ کسے قیل و قال ہے

تو خالقِ عظیم ہے، بندے ہیں سب ترے
تجھ سے کرے سوال یہ کس کی مجال ہے

تیرا کرم تو خاص ترے دوستوں پہ ہے
اُن کو نہ رنج وغم ہے نہ کوئی ملال ہے

کیا طالبِ جہاں تری جنت میں جائیں گے
ساؔحر یہ تیرے نفس کا حسنِ خیال ہے

فصیح احمد ساحرؔ، کولکاتا

توحید کے پرچم پہ ترا نام سجا ہے
ہر سمت ہی خلقت کی یہی ایک صدا ہے

تو حرف ہے اوّل بھی، تو آخر بھی رہے گا
ہے ذات تری وہ کہ نہیں جس کو فنا ہے

ہر ذرّہ میں ملتی ہے تری یاد کی خوشبو
ہو جن کہ بشر، ہر کوئی مصروفِ ثنا ہے

وہ قیدِ مسلسل سے ہے یوسف کو نکالا
یعقوبؑ کی آنکھوں میں بھی تیری ہی ضیا ہے

روزوں سے، نمازوں سے ہے بندوں کو نکھارا
منکر کے لبوں پر بھی جگائی جو دعا ہے

اے رب! کہ مری ذات میں خوبی نہیں کوئی
مجھ پر جو کرم ہے وہ عطاؤں سے ہوا ہے

موسیٰؑ پہ تجلی کی کرامات ہیں اخترؔ
اور احمدِ مختارؐ کو معراج عطا ہے

فوزیہ اختر ردا، کولکاتا

قرآن میں لکھا ہے اللہ بہت بڑا ہے
نبیوں نے بھی کہا ہے اللہ بہت بڑا ہے

ہے شان اُس کی عالی، بے مثل ذات اُس کی
ہر سمت یہ صدا ہے اللہ بہت بڑا ہے

ہے زندگی کا مالک، اور موت کا بھی مالک
اُس کی سبھی عطا ہے، اللہ بہت بڑا ہے

جن و بشر بنائے، شمس و قمر بنائے
خلقت سے کب جدا ہے، اللہ بہت بڑا ہے

ہم نے نوازا اُس کو جس نے ہمیں پکارا
رب خود یہ کہہ رہا ہے، اللہ بہت بڑا ہے

ارض و سما سے ہر دم، دونوں جہاں سے ہر دم
آتی یہی صدا ہے اللہ بہت بڑا ہے

سانسوں میں ہے وہ شامل، جلوہ ہے اُس کا ہر سو
رگ رگ میں وہ بسا ہے، اللہ بہت بڑا ہے

فہیم الدین فہیم، ہوڑہ

تذکرہ اس میں اپنے رب کا ہے
شعر اس واسطے غضب کا ہے

یہ شجر، یہ حجر، یہ دشت و جبل
اس جہاں میں جو ہے وہ رب کا ہے

بے سہاروں کا ہے سہارا تو
آسرا تو ہی جاں بلب کا ہے

جب نہ دنیا بنی تھی اے مولا!
یعنی تیرا وجود تب کا ہے

پالنے والا ساری دنیا کا
دینے والا وہ رزق سب کا ہے

سارے انساں کا اک وہی خالق
وہ عجم کا ہے، وہ عرب کا ہے

اُس کی حمد و ثنا فہیمؔ انور
مرحلہ یابس و رطب کا ہے

فہیم انور، ہوڑہ

تیرا ہے مجھ حقیر پہ احسان اے خدا
مٹی کو تونے کردیا انسان اے خدا

ندیاں، پہاڑ، باغ، بہاروں کا یہ سماں
اہل زمیں پہ ہے ترا احسان اے خدا

تجھ پر ترے رسولؐ پہ کامل یقیں مرا
ہے شکر کہ دیا مجھے ایمان اے خدا

میری دعا یہی ہے، چلا سیدھی راہ پر
جس کا اشارہ دیتا ہے قرآن اے خدا

اس سے بڑا بھی اور کرم ہوگا کیا ترا
بخشا رموزِ عشق کا عرفان اے خدا

دیتا اگر نہ تو ہمیں عقل سلیم تو
ہوتی کہاں سے جھوٹ کی پہچان اے خدا

شعلہؔ کو کوئی خوف نہ حزن وملال ہے
تو ہے جہاں میں اس کا نگہبان اے خدا

فیض احمد شعلہؔ کمرہٹی

یہ زمیں، چاند، ستارے اس کے
بہتے دریاؤں کے دھارے اس کے

جھرنا، تالاب، ندی، اس کے ہیں
اور سمندر کے کنارے اس کے

شت صحرا میں اسی کے جلوے
اور گلشن میں نظارے اس کے

امرا کا بھی ہے وہی مولا
اور نادار بیچارے اس کے

سب کو دیتا ہو دکھائی بھی نہ دے
سارے انداز نیارے اس کے

اپنے محور پہ چلیں سیارے
کتنے مضبوط سہارے اس کے

عرش پر اس کی حکومت فیروزؔ
فرش کے سارے کنارے اس کے

فیروز اخترؔ ہوڑہ

سبھوں کو چھوڑ کے جب رب سے جا ملا لوگو
میں بوند تھا، وہ سمندر بنا گیا لوگو

بڑا حکیم ہے وہ جس نے اپنی حکمت سے
حقیر قطرے کو گوہر بنا دیا لوگو

اک اپنے آگے جھکا کر جہاں کی نظروں میں
ذلیل ہونے سے اُس نے بچا لیا لوگو

ندی یا دریا، سمندر نہیں، کچھ اور ہے وہ
میں اُس کو چھوڑ کے پھر کس سے مانگتا لوگو

مرے گناہ کو نیکی میں وہ بدل دے گا
ہے اُس کی بخشش و رحمت پہ آسرا لوگو

میں ڈھونڈتا تھا جسے مسجد و کلیسا میں
وہ میرے دل کے ہی نزدیک مل گیا لوگو

خدائے اکرم و ارحم کا مجھ پہ احساں ہے
ظفرؔ کو جس نے نبیؐ سے ملا دیا لوگو

قاری اسماعیل ظفرؔ کولکاتا

جب فروغِ مہ و اختر پہ نظر جاتی ہے
تیرے ہی حسنِ منور پہ نظر جاتی ہے

رقص خوشبو کا سرِ صحنِ چمن ہوتے ہی
باغباں! تیرے گلِ تر پہ نظر جاتی ہے

روز ہوتے ہیں نمایاں تری قدرت کے نقوش
دم بہ دم ہر نئے پیکر پہ نظر جاتی ہے

کیا ترا ابرِ کرم ہے یہ سمجھنے کے لیے
تیرے زخّار سمندر پہ نظر جاتی ہے

تیرے محبوب کی مٹھی میں ترے نام کے ساتھ
کلمہ پڑھتے ہوئے کنکر پہ نظر جاتی ہے

تیری دنیا کے تضادوں میں کشش ہے کتنی
کبھی شیشہ، کبھی پتھر پہ نظر جاتی ہے

میں پہنچتا ہوں ترے در پہ تو سب سے پہلے
جو گدا ہے، اُسی قیصرؔ پہ نظر جاتی ہے

قیصر شمیم، ہوڑہ

ذرّہ ذرّہ ترا، قطرہ قطرہ ترا
یعنی ہر خشک و تر پہ ہے قبضہ ترا

ہے سند دین و ایماں کی کلمہ ترا
عبدیت کی سند ہے یہ سجدہ ترا

کن سے پیدا کیے تونے چودہ طبق
ہر طبق پر نمایاں ہے جلوہ ترا

تو ہی مسجود و ساجد بھی سجاد بھی
یہ جبیں بھی تری اور سجدہ ترا

تیری رحمت پہ ہم کو بڑا ناز ہے
یہ جبینِ خطا، اور سجدہ ترا

پھول گلشن میں ہیں، تارے افلاک پر
کتنا جاذب نظر ہے سلیقہ ترا

دن تمازت بھرا، رات خنکی سے پُر
کس قدر معتدل ہے رویہ ترا

کوثر پروین کوثرؔ، کولکاتا

ہے تاروں میں مہ و خورشید میں ہے کہکشاں میں ہے
ترا ہی جلوہ ہر سوائے خدا کون و مکاں میں ہے

تلاوت ہے کہیں اور ہیں کہیں اشلوک کے منتر
تری حمد و ثنا ہی ہر گھڑی لفظ و بیاں میں ہے

ہمیں ہی کیا درندوں کو پرندوں کو بھی تو یارب
ہمیشہ رزق دیتا ہے وہاں جو جس جہاں میں ہے

چٹک تیری ہی غنچوں میں، گلوں میں بھی مہک تیری
ترا ہی رنگ، خوشبو بھی، تری ہی گلستاں میں ہے

گھٹائیں مینہ برساتی ہیں تیرے ہی اشاروں پر
ترے ہی فضل سے خوں کی روانی جسم و جاں میں ہے

مرے حصے میں جو آیا عنایت ہے فقط تیری
ترا ہی فیض ہے یارب، اثر جو داستاں میں ہے

خدایا! اس کے دل کو کردے تو بے گانۂ دنیا
گرفتار آج بھی تیرا شررؔ سود وزیاں میں ہے

لیاقت حسین شررؔ، کولکاتا

وہ حاجت مند کو کب ٹالتا ہے
خدا رزاق سب کو پالتا ہے

اسی کے نور سے روشن ہے دنیا
وہی سورج میں کرنیں ڈالتا ہے

وہ خالق ہے زمین و آسماں کا
وہی مخلوق میں جاں ڈالتا ہے

ہمارا امتحاں لینے کی خاطر
مصائب میں کبھی وہ ڈالتا ہے

مٹاتا ہے دلوں سے بغض و کینہ
وہی الفت دلوں میں ڈالتا ہے

اسی نے ہم کو بینائی عطا کی
وہی آنکھوں میں منظر ڈالتا ہے

خدا ہے صابروں کے ساتھ اخترؔ
وہی ہے جو مصیبت ٹالتا ہے

مجیب اخترؔ، ٹیٹا گڑھ

کچھ رنگِ صبح بخشا، کچھ رنگِ شام بخشا
کیا خوب زندگی کو اُس نے نظام بخشا

پانی، ہوا، سمندر، آکاش، چاند، تارے
بندے کو اُس نے اپنے کیسا مقام بخشا

ایماں کو پختگی دی، ذہنوں کو تازہ رکھا
ثابت قدم رہیں ہم ایسا ''کلام'' بخشا

جینے کو زندگی میں کیا کیا سہولتیں دیں
اک اک دہن کو اُس نے لطفِ طعام بخشا

ہم کیوں نہ اُس کی حسرتؔ آخر کریں عبادت
بندے کو اپنے جس نے وحدت کا جام بخشا

محسن باعشن حسرتؔ، کولکاتا

زمیں سے تا بہ فلک انتظام تیرا ہے
زمانے بھر کے لیے فیضِ عام تیرا ہے

ہر ایک چیز پہ جاری ہیں رحمتیں تیری
ہر اک نظام سے اعلیٰ نظام تیرا ہے

زمین کیا ہے، فلک کیا ہے اور شہ رگ کیا
ہر اک مقام پہ یارب! قیام تیرا ہے

ازل سے تو ہی خدا ہے، خدا رہے گا تو ہی
جو مٹ سکا نہ مٹے گا وہ نام تیرا ہے

تری ہی بخشی ہوئی ہے یہ پیاس کی شدت
عطا جو ہوتا ہے لب کو وہ جام تیرا ہے

ثبوت اس کے سوا کیا تری کریمی کا
ہر اک زبان پہ ذکرِ مدام تیرا ہے

کرم کرے گا کوئی کیا ترے سوا مجھ پر
گناہگار یہ طاؔہر غلام تیرا ہے

محمد طاہر بیگ دہلوی، کولکاتا

رُخِ ازل کو میسر اُجال تجھ سے ہے
نگار خانے کا قائم جمال تجھ سے ہے

گماں کی حد سے گزرنے میں بھی کرم تیرا
مرے یقین کو حاصل کمال تجھ سے ہے

مرا وجود بھی تیری ہی رحمتوں کے تئیں
نفس نفس میں تسلسل بحال تجھ سے ہے

تری عطا سے میسر نظر کو بیداری
شگفتہ پھول کی صورت خیال تجھ سے ہے

وہ برتری کی ادا ہو کہ کمتری کا سبب
مرا عروج بھی تجھ سے، زوال تجھ سے ہے

قضا و قدر کے مالک، اے منصفِ محشر!
جواب خود سے ہے لیکن سوال تجھ سے ہے

ترے ہی حکم سے راہؔی میں بے خودی پیہم
ہر ایک اذنِ سفر کا مآل تجھ سے ہے

محمود راہیؔ، کولکاتا

میرے دل میں جتنی بھی موجود ہیں یادیں، تیری ہیں
میری جان کے اندر آتی جاتی سانسیں تیری ہیں

دھرتی اور آکاش میں ذرّے سے سورج کا مالک تو
انجم میں تابانی، پھولوں میں خوشبوئیں تیری ہیں

پت جھڑ کے موسم میں ہونے والے برہنہ پیڑوں پر
برگ و بر کی چڑھتی ہیں جو حسیں ردائیں تیری ہیں

ساگر، دریا اور جھرنوں کی ساری روانی تجھ سے ہے
ان سے آتی ہیں جو ترنم خیز صدائیں تیری ہیں

اوّل سے آخر تک کی ساری ہی تخلیقات میں تو
دنیاؤں کی کل چیزیں اور کل دنیائیں تیری ہیں

کردے جو روپوش نہ دیکھوں تو جو دکھائے دیکھوں میں
دنیا کے سب نقش ہیں تیرے، میری آنکھیں تیری ہیں

مختار مشرقی، بیلگچھیا

ہر پود، ہر شجر میں اللہ تو ہی تو ہے
ہر برگ، ہر ثمر میں اللہ تو ہی تو ہے

جن و ملک میں یارب! ہے نور تیرا ظاہر
پوشیدہ ہر بشر میں اللہ تو ہی تو ہے

تیری ہی روشنی ہے تاروں کی انجمن میں
اور جلوۂ قمر میں اللہ تو ہی تو ہے

مولا! کرم ہے تیرا کھیتوں پہ، کیاریوں پر
ہر فصل کے نگر میں اللہ تو ہی تو ہے

اُس کی اُڑان میں بھی تیری رضا ہے شامل
پنچھی کے بال و پر میں اللہ تو ہی تو ہے

مضطؔر کی آنکھ کو بھی بخشا ہے نور تو نے
ہر بندے کی نظر میں اللہ تو ہی تو ہے

مرتضیٰ حسین مضطر، کولکاتا

سر بسر تیرا ہی جلوہ یا الہٰ العالمین
ذرّے ذرّے میں سمایا یا الہٰ العالمین

تو کہ ہے انسان کی شہ رگ سے بھی نزدیک تر
جس میں بھی جو کچھ ہے تیرا یا الہٰ العالمین

تو نے بخشی ہے زمانے بھر کو اک روشن کتاب
سارے عالم میں ہے چرچا یا الہٰ العالمین

حمد کرتے ہیں تری ہر پل شجر ہو یا حجر
سر بسجدہ ذرّہ ذرّہ یا الہٰ العالمین

شانِ قدرت یاں تری ہر شے میں ہے جلوہ فگن
مل رہا ہے یہ اشارہ یا الہٰ العالمین

ایک لفظِ کن کہا اور جو بھی چاہا ہوگیا
ہے تری تخلیق دنیا یا الہٰ العالمین

تیرا ہی جلوہ اُتر آیا زمیں کی گود میں
دہر میں پھیلا اُجالا یا الہٰ العالمین

مسرت حسین عازمؔ آسنسول

ہونٹوں پر جب نام ترا آجاتا ہے
دل کی زمیں پر بادل سا برساتا ہے

دور نظر سے تو ہے، مگر تیرا جلوہ
ہم کو اک اک شے میں نظر آجاتا ہے

دل کی آنکھیں کھلتی ہیں تو پل بھر میں
تیرا جلوہ کیا کیا کچھ دکھلاتا ہے

اُس کی نظر پھر کب ٹک پاتی ہے دنیا پر
جس کی نظر میں تو اک بار آجاتا ہے

جن و بشر اور برگ و شجر سارے محکوم
تو تنہا سب کا حاکم کہلاتا ہے

انجم کیا ہے اور اس کے اشعار ہیں کیا
تیری یاد میں پاگل کچھ کہہ جاتا ہے

مشتاق انجمؔ ہوڑہ

جو بھٹکتے ہیں اُنہیں رستہ دکھا دیتا ہے
اپنے بندوں کو وہ منزل کا پتا دیتا ہے

اُس کی قدرت میں ہے موسم کی لطافت کا طلسم
پھول سوکھی ہوئی شاخوں پہ کھلا دیتا ہے

چھیڑ کر بربطِ ہستی پہ خرد کا نغمہ
عشق کا سوز ہے کیا مجھ کو بتا دیتا ہے

وہ مصور ہے جہاں میں نہیں جس کا ثانی
ہر نئے نقش کو وہ رنگ جدا دیتا ہے

نا تواں دل کو عطا کرتا ہے اک عزمِ جواں
بے نوا لب کو وہی حرفِ نوا دیتا ہے

میری تخئیل کو دیتا ہے وہ روشن پہلو
میرے احساس کی قندیل جلا دیتا ہے

شہِ کونینؐ کے صدقے میں وہی رب جاویدؔ
ہر کٹھن راہ کو آسان بنا دیتا ہے

مشتاق جاویدؔ کولکاتا

کیا لکھوں تعریف تیری خالقِ کون و مکاں
شان و عظمت جب تری ہے ذرّے ذرّے سے عیاں

دونوں عالم کی ہر اک شے حکم کے تابع ترے
تیرے قبضے میں ہے مولا! یہ زمین و آسماں

سب تری تسبیح میں مصروف ہیں صبح و مسا
حور و غلماں ہوں کہ ہوں جن و بشر، کر و بیاں

سنگ ریزوں نے بھی تیرے نام کا کلمہ پڑھا
جب عطا کی تو نے یارب! بے زبانوں کو زباں

لحنِ داؤدی میں تیری خوش کلامی کا اثر
اور حسنِ ناز تیرا حسنِ یوسفؑ میں عیاں

خوف لاحق کیوں ہو مجھ کو رنج و غم کی دھوپ کا
جب تری رحمت ہے میرے سر پہ بن کر سائباں

پڑھ کے بسم اللہ جب تھاما قلم مشتاقؔ نے
صورتِ مہرِ درخشاں ہو گیا حسنِ بیاں

مشتاق دربھنگوی، کولکاتا

عاشقی، دیوانگی تیرے لیے
دشت گردی بھی مری تیرے لیے

خاک چھانوں دشت یا صحرا کی میں
میری یہ آوارگی تیرے لیے

درد تیرا، ٹیس تیری، دل ترا
دل کی شوریدہ سری تیرے لیے

ذہن میرا ہر گھڑی تیری طرف
ہے مری یہ بے خودی تیرے لیے

عرش تیرا، فرش تیرا، سب ترے
چاند، سورج، چاندنی تیرے لیے

ذکر تیرا، لب ترے، میں بھی ترا
اور میری زندگی تیرے لیے

کیوں نہ مضطرؔ ہو ثنا خواں ہر گھڑی
اس کی ساری زندگی تیرے لیے

مضطر افتخاری، کولکاتا

ترا ہی بحر، سفینہ رواں بھی تیرا ہے
بھنور بھی تیرے ہیں اور بادباں بھی تیرا ہے

ہے تیری بزم میں آخر کہاں جگہ میری
چراغ بھی ہیں ترے اور دھواں بھی تیرا ہے

مجھے تو نذر بھی کرنے کو کچھ نہیں اپنا
جبیں کی خاک تری، آستاں بھی تیرا ہے

نقوش پا کو اٹھائے کہاں کہاں جاؤں
کہ گردِ رہ بھی تری، کارواں بھی تیرا ہے

دیا ہے کیوں مجھے لوح و قلم کا بارِ گراں
کہ گردشیں بھی تری، آسماں بھی تیرا ہے

بس اک کشاکش بے نام اور میں بے بس
نتیجہ بھی ہے ترا، امتحاں بھی تیرا ہے

میں تھک کے بیٹھ رہوں یا قدم بڑھائے چلوں
فنا بھی تیری ہے، نام و نشاں بھی تیرا ہے

مظہر امام، کولکاتا

ہر سمت پھیلا آسماں ہے کہکشاں در کہکشاں
صنعت تری ہے بے کراں اے خالقِ کون و مکاں!

تو ہی ہے دل کی آرزو، ہے ذات تیری روبرو
نظروں میں تو، دل میں بھی تو، تو ہے عیاں، تو ہے نہاں

ہے لالہ و گل میں مہک، ہے چاند تاروں میں دمک
پیدا کیے جن و ملک، ہر جا ہے تیرا ہی نشاں

غنچوں کو دی تو نے چٹک، دل کو بھی دی تو نے کسک
طائر اُڑے سوئے فلک، محوِ سفر سیارگاں

اعجاز ہے سب کچھ ترا، تیری نظر، تیری ادا
تو نے کہا کن ہو گیا، جلوہ نما سارا جہاں

پانی کی تہ زیرِ زمیں، ابرِ رواں جس کا امیں
مظہرؔ جھکائے ہے جبیں، سجدے میں ہیں کرو بیاں

مظہر کبریا، کولکاتا

فردا بھی ترا، گزرا ہوا کل بھی ترا ہے
صدیوں میں ڈھلے جو اک اک پل بھی ترا ہے

پیدا کیے اشجار ہمارے لیے تو نے
گلزار تو گلزار ہے، جنگل بھی ترا ہے

سوغات ہمیں دی ہے مٹھاس اور مہک کی
باغات کا ہر پھول بھی، ہر پھل بھی ترا ہے

دھرتی پہ مچلتی ہیں جو ندیاں وہ تری ہیں
آکاش پہ اُڑتا ہوا بادل بھی ترا ہے

یہ رائی بھی ہے تیری امانت مرے مولا!
یہ دیو صفت کوہِ مسلسل بھی ترا ہے

تارہ ہو کہ سیارہ ہو تخلیق ہے تیری
ناہید و ثریا ترے، منگل بھی ترا ہے

معراج احمد معراج، کلٹی

مالکِ دو جہاں تو ہی معبود ہے
ذرّے ذرّے میں بھی تو ہی موجود ہے

ابتدا بھی ہے تو، انتہا بھی ہے تو
تو ہی ہے لم یزل، تو ہی مسجود ہے

لفظ ''کن'' سے کیا تو نے پیدا جہاں
تیری قدرت، کہا کس نے محدود ہے

تیرے محکوم ہیں سارے جن و بشر
تو ہی سب کا خدا، تو ہی معبود ہے

کیا شجر، کیا حجر، کیا زمیں، کیا فلک
تیرا جلوہ ہر اک شے میں موجود ہے

جز ترے اور کوئی نہیں اے خدا!
ساری مخلوق کا تو ہی مقصود ہے

ایک معصومؔ شرقی ہی کا ذکر کیا
ہر زباں پر ترا وصفِ محمود ہے

معصوم شرقی، کانکی نارہ

زباں بخشے قلم کو یا ہمیں دانشوری دے دے
خدا کی شان ہے ذرّے کو چاہے برتری دے دے

اُسی کے حکم کے پابند ہیں گلشن بھی، صحرا بھی
کہیں وہ بوئے گل دے دے، کہیں کھیتی ہری دے دے

اگر ناراض ہو تو وہ اُلٹ دے تختِ شاہی کو
اگر ہو خوش فقیری سے تو پھر اسکندری دے دے

یہ اُس کی دین ہے جس طرح چاہے دے وہ بندے کو
وہی دے قعرِ ذلت یا وہی پیغمبری دے دے

ہوا کیا، آگ، پانی کیا، نفس کیا، زندگانی کیا
اگر چاہے رواں رکھے نہ چاہے بے بسی دے دے

ممتاز انور، کمرہٹی

تجھی سے ہے قائم یہ حسنِ جہاں
ہر اک شے میں تیری تجلی عیاں

ادا کیسے ہو حقِ حمد و ثنا
میں اک مشتِ خاک اور تو آسماں

پڑے دھوپ غم کی مرے سر پہ کیوں
تری ذات میرے لیے سائباں

یہ لہراتی فصلیں، یہ شاخ و شجر
کھلاتا تو ہی ہے گل و گلستاں

بچاتا ہے دشمن سے تو ہی مجھے
ہو کیوں مجھ کو پھر خوفِ تیر و کماں

عطا تو نے کی دولتِ فکر و فن
تری ہی عنایت شعورِ زباں

ممتاز عارفی، کولکاتا

مرے کریم ترا لطف بے حساب لکھوں
تو لمحہ لمحہ میں خود کو بھی فیض یاب لکھوں

ترے سوا یہاں کس کو ثبات حاصل ہے
حباب لکھوں میں خود کو خیال و خواب لکھوں

ترے کرم کی گھٹا جھوم کر برس جائے
تو رہ گذار تمنا کو آب آب لکھوں

مرے سوال کرم کا مدار ہے تجھ پر
تجھی کو دل یہ کہے حاصل جواب لکھوں

جو بھیک لطف و کرم کی مرے قلم کو ملے
تو پھر میں جھوم کے مدحت ترے جناب لکھوں

ترے نقیبؔ کو پہچانتا تھا کون یہاں
ترے کرم نے جو بخشا وہ انقلاب لکھوں

منصور نقیب نشیدی، برن پور

نہ تیری ابتدا نہ انتہا ہے
عجب یہ کن فکن کا ماجرا ہے

ہر اک شے تیری قدرت کا کرشمہ
جو ظاہر میں ہے کچھ اور کچھ چھپا ہے

فلک پر ہے تری ہی حکمرانی
زمیں پر تیرا ڈنکا بج رہا ہے

دیا ہے خاک کو وہ سرفرازی
ملائک تک جسے سجدہ کیا ہے

تو ہی سمجھے تو ہی جانے خدایا
ہمارے واسطے کیا کیا دیا ہے

نہیں ممکن تری تعریف مجھ سے
میں اتنا جانتا ہوں تو خدا ہے

رہے امن و اماں قائم جہاں میں
یہی عادلؔ کی تجھ سے التجا ہے

منظور عادلؔ کولکاتا

اے خدا! واجب الوجود ہے تو
ہم ہیں بندے ترے معبود ہے تو

بس تری ذات کو واجب سجدہ
بس تری شان کہ مسجود ہے تو

ہے زمان و مکاں سے بے گانہ
تو یگانہ ہے، بے حدود ہے تو

کی حفاظت خلیلؑ کی تو نے
باردِ آتشِ نمرود ہے تو

سب زوال و فنا، تو ہی باقی
حیٔ قیوم و ذوالوعود ہے تو

بخش دے گا گناہ گاروں کو
مالکِ عرش و ہست و بود ہے تو

ہوگا میکشؔ کا خاتمہ بالخیر
بے کسوں کے لئے ودود ہے تو

میکش کوہستانی، دارجلنگ

اے خدائے پاک تو ہر شے پہ ہے چھایا ہوا
تو ہے پوشیدہ مگر موجود ہے جلوہ ترا

وصف تیرا کیا بیاں ہو بندۂ ناچیز سے
کر نہیں سکتا کوئی تیری ثنا کا حق ادا

تو بسا سانسوں میں ہے، قائم ہے تجھ سے زندگی
میرے دل کی دھڑکنوں میں کون ہے تیرے سوا

درد کا درماں خدایا تجھ سے بڑھ کر کون ہے
اس جہاں میں کون ہے تیرے سوا حاجت روا

حرف سارے بے زباں ہیں نازؔ کا چپ ہے قلم
ذہن عاجز فکر سے ہے اور دل ہے بے نوا

نادرہ نازؔ، کولکاتا

حسن کاری یہ مری خوش ہنری تجھ سے ہے
رنگ و آہنگ کی یہ جلوہ گری تجھ سے ہے

میرے نغموں کی طلسماتی فضا بھی تیری
فکر و احساس کی یہ نقش گری تجھ سے ہے

مری اوقات ہے دانش کدۂ دہر میں کیا
اور کچھ ہے بھی تو یہ با خبری تجھ سے ہے

شعر و نغمہ تو فقط ایک بہانہ ٹھہرا
مجھ سے گمنام کی یہ ناموری تجھ سے ہے

سچ تو یہ ہے کہ مرے شہرِ غزل میں ہر سو
پرتوِ صبح کی یہ جلوہ گری تجھ سے ہے

لہکا لہکا سا چمن، لالہ و گل کی یہ بہار
مہکی مہکی سی یہ بادِ سحری تجھ سے ہے

ہوں صفِ دیدہ وراں میں تو کرم ہے تیرا
ہے جو تھوڑی سی یہ بالغ نظری تجھ سے ہے

ناظم سلطان پوری، کولکاتا

جسے لطفِ سراسر پا رہا ہوں
اُسی کی حمد لکھنے جا رہا ہوں

مشامِ دل معطر ہو گیا ہے
نواحِ جاں میں اُس کو پا رہا ہوں

اُسی کو زیب دیتی ہے بڑائی
اُسی کے گن سدا گاتا رہا ہوں

ازل سے تا ابد بس ایک وہ ہے
اُسے موجود ہر جا پا رہا ہوں

ہر اک شے پر ہے اُس کی حکمرانی
اُٹھاؤ آنکھ میں دکھلا رہا ہوں

فرشتو! تم بھی میرے ہم سرا ہو
میں اپنے رب کا نغمہ گا رہا ہوں

شرف حاصل ہے یہ مجھ کو کہ فائق
خلیفہ اُس کا میں کہلا رہا ہوں

نسیم فائقؔ کولکاتا

کہیں موج موج سراب وہ، کہیں چاندنی سرِ آب وہ
کہیں رنگ وہ، کہیں سنگ وہ، کہیں روشنی، کہیں آب وہ

کہیں حسنِ فصلِ بہار وہ، کہیں سر بہ سر ہے غبار وہ
کہیں آفتاب بنا ہوا، کہیں عکسِ رنگِ سحاب وہ

کہیں ایک شعر کہا ہوا، کہیں ایک شعر سنا ہوا
کہیں اک غزل، کہیں دو غزل، کہیں پوری کتاب وہ

کہیں سونے چاندی میں ہے ڈھلا، کہیں رنگ و بوئے خیال ہے
کہیں مندروں کا کلس ہے وہ، کہیں مسجدوں کا حجاب وہ

ہے کہیں تو لمس صبا کا ہے، ہے کہیں تو زور ہوا کا ہے
ہے کہیں تو جاں ہے بنا ہوا، ہے کہیں تو جاں کا عذاب وہ

کہیں جھیل جیسی نگاہ میں وہ ہے تیرتا سا کنول کوئی
کہیں نرم نرم سے ہونٹ پر کوئی ادھ کھلا سا گلاب وہ

وہ جمال بھی، وہ کمال بھی، وہی آپ اپنی مثال بھی
ہے جواب اُس کا اگر کوئی تو ہے آپ اپنا جواب وہ

نصر غزالیؔ کولکاتا

جس پر ترا کرم ہے وہی با کمال ہے
گر ہو نہ تیرا فیض تو جینا محال ہے

مالک ہے تو ہی، تو ہی غفورالرحیم ہے
یارب! ترے ہی ہاتھ عروج زوال ہے

رازق ہے تو ہی سارے زمانے کا بالیقیں
جو مانتا نہیں ہے وہی تنگ حال ہے

موت اور زندگی ہے ترے اختیار میں
غافل ہے وہ، نہیں جسے اِس کا خیال ہے

جو تیری بندگی سے گریزاں ہے اے خدا!
ڈوبا ہے درد میں، وہی غم سے نڈھال ہے

سورج میں، ماہتاب میں، لعل و گہر میں بھی
تیری تجلیوں سے ہی حسن و جمال ہے

راہیؔ بھی بخشا جائے گا محشر کے روز کیا
مولا! ترے حضور میں ادنیٰ سوال ہے

نظیر راہیؔ، کولکاتا

میرے اللہ! مری فکر عنایت تیری
میری ہر سانس، مری ذات امانت تیری

لوگ مٹی کا کھلونا تو بنا سکتے ہیں
خاک کو روح عطا کرنا ہے قدرت تیری

میں ترے نام کی تعویز لیے پھرتی ہوں
مجھ کو محفوظ رکھا کرتی ہے قربت تیری

دل ترے نام کی خوشبو میں بسا رہتا ہے
میرے ایمان کا حاصل ہے عبادت تیری

میں بھلا طور پہ موسیٰؑ کی طرح کیوں جاؤں
ذرّے ذرّے سے نمایاں ہے حقیقت تیری

ڈوب کر تیرے تصور میں، تری یادوں میں
عمر بھر کرتی رہوں گی میں اطاعت تیری

نور ہی نور ترا دیکھتی ہے نغمہؔ نور
کثرتِ حسن میں یک رنگیٔ وحدت تیری

نغمہ نور، کولکاتا

تری صفت کو زباں سے بیاں کروں کیسے
عیاں کروں تو میں آخر عیاں کروں کیسے

ہر ایک لفظ ہے روشن ترے صحیفے میں
میں لفظ لفظ کو وردِ زباں کروں کیسے

یہ چاند، تارے، زمیں، بحر و بر سبھی ہیں ترے
میں قید لفظوں میں تیرا جہاں کروں کیسے

ترے کرم تری بخشش کی ہے طلب مولا
میں تجھ کو چھوڑ کے حاجت بیاں کروں کیسے

عطائے رب سے ملی ہے جو زندگی اکبرؔ
اسے تباہ دیارِ زیاں کروں کیسے

نقیب اکبرؔ ہوڑہ

تو بسا جہاں میں ہے چار سو
تری شان جل جلا لۂ

نہ شریک تیرا کوئی ہوا
تیری ذات پاک ہے وحدہٗ

ترا کلمہ میرے لبوں پہ ہے
مرے قلب و جاں میں ہے تو ہی تو

مری زندگی کا تو مدعا
تو ہی میرے دل کی ہے آرزو

ترے دم سے باغ و بہار ہے
ترے دم سے پھولوں میں رنگ و بو

تری حمد کیا کرے نازؔ اب
بسا اس کے دل میں ہے تو ہی تو

نگار بانو نازؔ کولکاتا

آپ خود اپنا فلسفہ ہے خدا
ایک بس، ایک ہی خدا ہے خدا

اپنے جلوؤں کی ساری تابانی
میری آنکھوں میں دیکھتا ہے خدا

چاہتیں سن کے مسکراتا ہے
حاجتیں میری جانتا ہے خدا

لامکانی میں ہے مکاں اُس کا
آئینہ گر ہے، آئینہ ہے خدا

اُس کی بیدادیاں وہی جانے
میری نیندوں میں جاگتا ہے خدا

نم اعظمی، کولکاتا

گفتۂ دیدہ و لب جانتا ہے
وہ مرا حسنِ طلب جانتا ہے

اُس سے پوشیدہ نہیں راز کوئی
دل میں کیا بات ہے، سب جانتا ہے

جب بھی مانگو تو اُسی سے مانگو
کس کو کیا دینا ہے کب، جانتا ہے

راہ سیدھی نہیں جن کی، اُن پر
کیسے ڈھانا ہے غضب، جانتا ہے

مالکِ کُل اُسے رکھتا ہے عزیز
جو بزرگوں کا ادب جانتا ہے

وہ سمجھتا ہے جلن مٹی کی
مینہ برسانا ہے کب، جانتا ہے

نور پیکر، ہوڑہ

کہاں نہیں ہے منور تری صفات کا رنگ
کہیں حیات کے جلوے، کہیں ممات کا رنگ

کہاں یہ پھول کی رنگت، کہاں وہ پات کا رنگ
کہاں صفاتِ الٰہی، کہاں منات کا رنگ

باسم ایک ہے، اقرأ تا آئینہ اکمل
اسی پہ ختم ہے ایجاد و ممکنات کا رنگ

کبھی وہ بھیج کے آدمؑ، کبھی محمدؐ کو
دکھا رہا ہے مسلسل تجلیات کا رنگ

نظر کو بخشی ہے جس نے ادائے تیر و سناں
دل و جگر میں بھرا اُس نے التفات کا رنگ

زبانِ دیدۂ حیرت پہ نام کس کا ہے
دیا ہے کس نے جہاں کو تحیرات کا رنگ

لوائے حمد کا سایہ پڑے گا جب ہم پر
تو ہم بھی دیکھیں گے نیّرؔ رُخِ نجات کا رنگ

نیراعظمی، کولکاتا

یہاں جس کا اُجالا ہے، وہاں جس کا اُجالا ہے
نہیں وہ دوسرا کوئی، وہی باریٔ تعالیٰ ہے

مہ و انجم، گل و غنچہ ترے ہی گیت گاتے ہیں
زمین و آسماں پر تو ہی افضل، تو ہی اعلیٰ ہے

ترے برگ و شجر یارب! ترے بادل، تری بارش
ترے ہی تو سمندر ہیں، ترا ہی تو ہمالہ ہے

نوازش اپنے بندوں پر تری ہے بے حساب اللہ!
ہدایت کو ہے قرآں، رہبری کو کملی والا ہے

ترے انصاف کے قائل تو ہیں دونوں جہاں والے
خطا جب کی تو آدمؑ کو بھی جنت سے نکالا ہے

عزازیل اتنا تابع تھا کہ تونے سروری بخشی
پھرا تو طوق لعنت کا گلے میں اُس کے ڈالا ہے

نگاہوں میں وفاؔ کی تاج و دولت کی نہیں وقعت
ملا جس کو کرم تیرا وہی تقدیر والا ہے

وفاصدیقی، ہوڑہ

تری زمیں، ترا فلک
ترے بشر، ترے ملک

قمر میں ہے تری چمک
ہے شمس میں تری دمک

ہے تیری لہر آب میں
ہے آگ میں تری لپک

تو ایک ہے، تو ایک ہے
نہیں ہے کوئی اس میں شک

ہے دین تیرے عشق کی
جو میرے دل میں ہے کسک

رہے گا حرفِ شکر ہی
مرے لبوں پہ مرگ تک

کنوؔر پہ ہے ترا کرم
عدو نہ دے سکے گا زک

ہری کنور رائے کنورؔ، ہوڑہ

نظمِ عالم کے مقرر جو نصاب اُس کے ہیں
از ازل تا بہ ابد سارے حساب اُس کے ہیں

وہ ہے خلاقِ ازل، قادرِ مطلق بھی وہی
رحمتیں بندوں پہ ہوں یا ہوں عتاب، اُس کے ہیں

تپتے صحرا میں ببولوں پہ بھی رحمت اُس کی
فضل ہے اُس کا، چمنستاں میں گلاب اُس کے ہیں

عقل و تخئیل کی پرواز ہے اپنی حد میں
عشق کے رازِ نہاں زیرِ حجاب اُس کے ہیں

اُس کے ہی دم سے کھنکتا ہے مرا سازِ وجود
نغمہ و نے کی ادا، چنگ و رباب اُس کے ہیں

بحرِ عصیاں میں ہیں غرقاب تو رحمت کی قسم
فخر ہے اس پہ بھی، ہم خانہ خراب اُس کے ہیں

اُس کی ہے خاص عطا فہم و فراست ہمدمؔ
اُس کے ہیں لوح و قلم، حرف و کتاب اُس کے ہیں

ہمدم نعمانی، کمرہٹی

کریم تو ہے، کرم سب پہ عام تیرا ہے
جو سب سے برتر و بالا وہ نام تیرا ہے

تمام شے پہ تو رکھتا ہے دسترس اپنی
زمین تیری، فلک کا نظام تیرا ہے

یہ جسم و جان و نفس سب ترے حوالے سے
ہماری زیست کا حاصل کلام تیرا ہے

بصد خلوص لیے خود میں جذبۂ ایماں
چھلکتا دل میں محبت کا جام تیرا ہے

حرم کا ذکر ہو یا بات ہو کلیسا کی
ہر اک جگہ پہ تو ذکرِ مدام تیرا ہے

ترے ہی ذکر سے حاصل سکون ہے دل کو
رکوع و سجدہ، قیام و سلام تیرا ہے

بیان کیا کرے یونسؔ بھلا صفات تری
شعور و فکر سے بالا مقام تیرا ہے

یونس سلطان پوری، کولکاتا

یہ صفحہ میرے پاپا کے لیے!

یہ فن، یہ مرا کام عطائے ربی
سرخی میں مرا نام عطائے ربی
جتنا بھی کروں شکر یقیناً کم ہے
شہرت کے یہ ایام عطائے ربی

فراغ روہوی
(۱۶/اکتوبر ۱۹۵۶ء-۱۳/جولائی ۲۰۲۰ء)

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

آمین